

امارت کا حق دار

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضَرَبَ
بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ،
وَإِنَّهَا، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حِزْبِي وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي
عَلَيْهِ فِيهَا» [مسلم: ۱۸۲۵ و ۱۶]

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے کسی کام پر نہیں لگا دیتے؟ تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر مارا، پھر فرمایا اے ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ دنیوی کام امانت ہیں اور یہ قیامت کے روز ذلت اور شرمندگی کا باعث ہوں گے۔ ہاں جو شخص جو مستحق بھی ہو اور اس سے متعلق اپنا فرض بھی ادا کر دے تو وہ اس ذمہ داری کو قبول کر سکتا ہے۔“

حرص امارت

① عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ: أَخَذَهُمَا عَنْ يَمِينِي، وَالْآخَرَ عَنْ يَسَارِي، فَكَلَاهُمَا سَأَلَ الْعَمَلُ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُكَ، فَقَالَ: «مَا تَقُولُ؟ يَا أَبَا مُوسَى! أَوْ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ!» قَالَ: فَقُلْتُ: وَاللَّهِ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا أَطْلَعَانِي عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمَا، وَمَا شَعَوْتُ أَنْهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ، قَالَ: وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكِ تَحْتَ شَفْتِهِ، وَقَدْ قَلَصْتُ، فَقَالَ: «لَنْ، أَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مِنْ أَرَادَهُ، وَلَكِنْ اذْهَبْ أَنْتَ، يَا أَبَا مُوسَى! أَوْ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ!» فَبَعَثَهُ عَلَى الْيَمَنِ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ -

[مسلم: ۱۷۳۳ و ۱۵]

”ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرے قبیلے کے دو آدمی بھی تھے۔ ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب۔ تو ان دونوں نے نبی ﷺ سے کسی علاقے کی حکومت اور عمل داری مانگی۔ آپ اس وقت مسواک کر رہے تھے تو مجھ سے پوچھا، ابوموسیٰ! تم کیا کہتے ہو۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، انھوں نے اپنے دل کی بات مجھے نہیں بتائی اور نہ ہی مجھے معلوم ہو سکا کہ یہ کوئی کام یا حکومت مانگتے ہیں۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں گویا کہ میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسواک کر رہے ہیں اور آپ کا نچلا ہونٹ مسواک سے سکڑ گیا تھا تو آپ نے فرمایا جو شخص کسی کام کا خود ارادہ رکھتا ہو ہم اس کے حوالے وہ کام یا زمداری نہیں لگاتے لیکن ابوموسیٰ تم یمن کو جاؤ، پھر بعد میں آپ نے حضرت معاذ کو بھی بھیج دیا۔“

② عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا، عَنْ مَسْأَلَةٍ، وَرَكَلْتَ إِلَيْهَا. وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، أُعِنْتُ عَلَيْهَا» [مسلم: ۱۶۵۲ و ۱۳]

”عبدالرحمن بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمن! ”امارت کبھی نہ مانگنا کیوں کہ اگر وہ تجھے مانگنے پر مل گئی تو تجھے اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کریں گے اور اگر تجھے بن مانگے امارت مل جائے تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی۔“

فہرست

1	امارت کا حق	جواہر پارے
2	حرصِ امانت	کلمۂ طیبہ
5	معانی و مفاہیم	اداریہ
7	لغوی تفسیر کے قواعد و ضوابط..... ②	علوم تفسیر
13	التاسیس فی مسئلۃ التذلیس..... ②	علوم حدیث
20	غامدی فکر کا تجزیاتی مطالعہ ② (آخری)	حجیت حدیث
26	مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ	یاد رفتگان
30	نظریے کا فرق	نقطۂ نظر
33		تبصرۂ کتب
35	صدق اکبرؐ	شعر و ادب
	(حافظ احمد شاکر)	
	(حافظ محمد شہباز حسن)	
	(حافظ زبیر علی زئی)	
	(عبدالوارث ساجد)	
	(محمد سلیم چنیوٹی)	
	(ماہر القادری)	

موت ایک حقیقت

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ الْجُودَ كُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۖ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

[آل عمران: ۱۸۵]

”ہر جان دار نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور تمہیں اپنے اعمال کے پورے پورے بدلے ضرور دیئے جائیں گے۔ تو جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی دھوکے کے فائدے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔“

جنت اور جہنم کے مکین

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ، قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ: «إِطْلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَإِطْلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ»

[مسلم: ۲۷۳۷-۹۴]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت میں جہانک کر دیکھا تو اس کے اکثر باشندے مجھے فقراء دکھائی دیئے اور میں نے جہنم میں جہانک کر دیکھا تو اس میں مجھے اکثر عورتیں نظر آئیں۔“

2 تا 8 فروری 2007ء..... (112)..... 13 محرم الحرام 1427ھ

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی کا اور عافیت (پناہ) کا سوال کرتا/کرتی ہوں۔“

انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سی دعا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت مانگو۔“ وہ شخص اگلے روز پھر آیا اور اس نے پھر وہی سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! بہترین دعا کون سی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ سے دنیا اور آخرت میں عفو و عافیت مانگو۔ اگر تمہیں دنیا اور آخرت میں عافیت مل گئی تو یقیناً تم کامیاب ہو گئے۔“

[الادب المفرد، رقم: ۶۵۲]

معانی و مفاہیم

حافظ احمد شاکر

اداریہ

دنیا کی سیاسی لغت میں جو اضافے یا لفظوں کی اختراعات موجودہ حکومت میں ہوئیں اس کی مثال ماضی میں شاید کم ہوگی اور پھر الفاظ کے من پسند معانی اور مفاہیم کا جو رواج یا حوصلہ موجود حکمرانوں نے کیا ہے اس کی نظیر ملنی بھی مشکل ہوگی۔ اقتدار کے سنگھاسن پہ بیٹھتے ہی سب سے پہلے ان حکمرانوں سے حقیقی جمہوریت کا نعرہ یا دعویٰ سننے اور پڑھنے کو ملا۔ لیکن سات سال ہوتے ہیں کہ بی جمہوریت ایسے غائب ہوئی ہے یا کسی نے اس کو یوں اغوا کر لیا ہے کہ اب تک نہ تو جمہوریت دستیاب ہوئی اور نہ حقیقی جمہوریت ہی جلوہ نما ہوئی ہے جب کہ محروم اقتدار تمام سیاسی جماعتیں بھی اسی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

پھر دہشت گردی کی اصطلاح کو خوب شہرت دی گئی جس کا معنی ہمارے علم کے مطابق فرد/جماعت/حاکم/یاملک کا دوسروں کو اپنے جبر و ظلم سے خوف میں مبتلا رکھنا ہے۔

جب تک دنیا میں امریکا کے بالمقابل روس تھا تو دونوں ایک دوسرے کو گھورتے بھی تھے اور دونوں ایک دوسرے سے خائف بھی رہتے تھے۔ لیکن جب سے دنیا کی گلیوں میں ”مرزایار“ اکیلا رہ گیا ہے اس نے اودھم مچا رکھا ہے کہ اسے اپنے تابعداروں کے سوا دنیا میں کوئی بھی ملک، مذہب اور فرد ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

دہشت گردی کے مذکورہ بالا معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو اس کا سب سے زیادہ اطلاق یا اس معنی کا سب سے بڑا مظہر خود امریکا ہے کہ وہ پوری دنیا خصوصاً مسلم دنیا کو اپنے خوف میں مبتلا رکھنے کے جنون کا شکار ہو چکا ہے۔ اس لفظ کا جب اس کو خود پر منطبق ہونے کا احساس ہوا تو اس نے جنگ جو کا لفظ اپنا لیا جب کہ حال کی تاریخ سے واقف ہر دانا اور باشعور شخص جانتا ہے کہ دور حاضر کا سب سے بڑا جنگ جو کون ہے؟ اور وہ ہے امریکا جس نے بوسنیا، سوڈان، افغانستان، عراق، فلپائن، قبرص اور اب صومالیہ میں مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کو اپنا مقصد قرار دیا ہوا ہے اور کھلے بندوں امریکی صدر موجودہ عالمی امن کش فضا کو بغیر کسی وجہ کے کروسید یعنی صلیب و ہلال کی کشاکش قرار دے چکا ہے۔ لیکن ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ وہ جنگ جو کا اطلاق صرف ان مسلمانوں پر کرتا ہے جو اس کے ظلم و ستم کا شکار ہیں، اور اس سے خلاصی پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسی دورِ ناروا کی لغت میں اس نے روشن خیالی، اعتدال پسندی اور انتہا پسندی کی اصطلاحیں بھی داخل کی ہیں لیکن امریکا ان کے اسی معنی کو صحیح جانتا اور تسلیم کرتا ہے جو اس نے خود طے کر رکھے ہیں۔

مثلاً اس کے نزدیک روشن خیالی یہ ہے کہ بے پردگی، فحاشی و عریانی اور ان پر مشتمل پروگرام مردوزن کی مخلوط دوڑ، بسنت، حیابا ختہ جشن بہاراں کا اہتمام، خواتین کے نیم عریاں لباس، کنڈوم کچر کا فروغ موسیقی سننا ہی نہیں سیکھنا، ذاتی اغراض و خواہشات کی خاطر دین، ملک اور قومی مقاصد کو بالائے طاق رکھنا، وعدے کرنا پھر ان پر عمل سے گریز کی راہیں نکالنا..... یہ اس کے نزدیک روشن خیالی ہے۔

اس کے نزدیک یہ انتہا پسندی نہیں ہے کہ دنیا میں صرف امریکا ہی حکومت کرے، عیسائیت تمام مذاہب پر غالب آ جائے، اسلام کا نام لیوا دنیا میں کوئی نہ رہے، امریکا مخالف تہ تیغ کر دیا جائے، دنیا صرف اسی کے دیے ہوئے نقشے کے مطابق آباد ہو، معاشرہ مادر پدر آزاد ہو، کتوں کو اٹھائے پھر اور ان کا کلچر عام کرو۔ بلکہ اس کے نزدیک باقاعدہ نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا، احادیث سے زندگی کی راہ نمائی لینا، مشعل راہ کے

لیے صحابہ کی سیرت و سوانح پڑھنا، معروف کا حکم دینا، برائی سے روکنا، پردہ کرنا، اللہ کے دین کا علم حاصل کرنا، اللہ کے راستے میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنا، کفر کے سامراج سے نجات پانے کی کوشش کرنا، ظالم کے آگے ڈٹ جانا اور اپنا دفاع کرنا، طلباء کی مدد اور علماء کی خدمت کرنا، یتیموں کی کفالت کرنا، یتیموں کا سہارا بننا مساجد بنوانا، غرباء کا علاج کروانا اور ان تک ادویات و خوراک پہنچانا یہ انتہا پسندی ہے۔

ظلم سہتے رہنا، کفر کی ریشہ دوانیوں کو برداشت کرنا، نئی نسل کی آوارگی پر خاموش اور خوش رہنا، حلال حرام کی پرواہ نہ کرنا، چھینا چھٹی کرتے رہنا، کفر کے آلہ کار بننا اور آخرت..... جو مسلمان اور کافر میں امتیاز کرتی ہے..... سے بے نیاز ہو کر صرف دنیا کمانا، اسی کے لیے جینا اور عذاب آخرت سے بے نیاز ہو کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنا یہ اس کے نزدیک اعتدال پسندی ہے۔

ہمارے اصحاب اقتدار..... حتیٰ کہ مرکزی، صوبائی اور شہری سطح کے جو حاکم اور لیڈر خاندانی شرافت اور دین و اہل دین کے احترام کا ماضی رکھنے والے ہیں، وہ بھی..... ان اصطلاحات سے مراد اگر وہی معانی لیتے ہیں تو اس پر ان اللہ کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے، اور مندرجہ ذیل آیات قرآنی کو سامنے رکھتے ہوئے پھر ایسی قوموں کے لیے اللہ کے وعدہ سچا ہونے اور اس کی پکڑ میں آنے کا انتظار..... اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے..... ہی کرنا چاہیے۔

”پھر جو انھیں نصیحت کی گئی تھی اسے وہ بھلا چکے تو ہم نے ان پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیے حتیٰ کہ وہ ہماری دی ہوئی چیز پر خوش ہو گئے تب

ہم نے ان کو عذاب میں اچانک پکڑ لیا تو وہ قطعاً امید ہو کر رہ گئے۔“ [الانعام: ۴۴]

”کہہ دیجیے وہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر اوپر یا نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں کئی گروہ بنا دے اور ایک دوسرے سے لڑائی کا مزہ چکھا

دے۔ دیکھ کیسے پھیر پھیر کر ہم آیات بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔“ [الانعام: ۶۵]

”اگر بتیوں والے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو

ان کے اعمال کی وجہ سے پکڑ لیا۔“ [الاعراف: ۹۶]

”کیا یہ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک دفعہ یا دو دفعہ آزمائش میں مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت ہی حاصل کرتے

ہیں۔“ [التوبة: ۱۲۶]

اور اگر ان کے ذہنوں میں..... ہماری خوش فہمی کے مطابق..... امریکامرادمعانی نہیں تو پھر انھیں چاہیے کہ امریکی لغت اور اصطلاحات کی بجائے دین اسلام اور اپنی قومی زبان بولیں کہ اردو زبان کا دامن بہت وسیع ہے۔

اپنے دشمن کو خود پہچانئے

ہفت رفتہ کی قومی لحاظ سے سب سے اندوہناک خبروں میں اسلام آباد میریٹ ہوٹل اور پشاور میں انتظامات کا جائزہ لینے والی اعلیٰ پولیس افسروں کی ٹیم میں دھماکے کی خبریں ہیں جس میں بہت سے بے گناہ شہری لقمہ اجل بن گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وطن عزیز کے ہم درد دانشور، صحافی اور کالم نگار اس بات کا متعدد مرتبہ اظہار کر چکے ہیں کہ پولیس کو صرف اپنی قانونی ذمہ داری ادا کرنے تک ہی محدود رکھا جائے یعنی اس کو حکمران اپنی سیاست کی دلدل میں نہ گھسیٹیں تو وطن عزیز کی پولیس اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے دنیا کی کسی بھی پولیس سے کم نہیں۔ لیکن جب حکمران اور سیاستدان پولیس فورس کو سیاست میں دھکیلتے ہیں تو پھر اسی قدر ان کی ذمہ داریوں میں کمی رہ جاتی ہے۔

ان حادثات کے بعد جناب وزیر داخلہ کے اس بیان پر حیرانگی ہوئی کہ وہ ان واقعات کا طالبان یا القاعدہ پر شبہ کر رہے ہیں۔ حالاں کہ افغان حکومت کی وطن دشمن پالیسی اور بھارتی دسیسہ کاریاں تو اب کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ماضی قریب میں بلوچستان میں دہشت گرد کارروائیوں کا کھرا بے کے گھر تک پہنچ گیا تھا کیا اس کھرے کو آگے نہیں لے جانا چاہیے تھا؟ اپنے دشمن کو خود پہچانئے اور اغیار کی بجائے اپنی عینک سے دیکھئے تو دشمن بغل ہی کے نیچے سے مل جائے گا۔ بہر صورت ان افسوسناک حوادث کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ ان حوادث کے مرتکبین کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی رسوائی نصیب کرے۔

لغوی تفسیر کے قواعد و ضوابط

حافظ محمد شہباز حسن (لیکچرر: یو۔ای۔ٹی)

نعمتوں کا ذکر مناسب تھا یہ ہیں، مثلاً:

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آسمان وزمین کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول اور غلے اگانا، ضروری صنعتوں کا الہام، پھر اُن کے جاری کرنے کی قدرت بخشا، اور اکثر مقامات میں ہجومِ مصائب اور اُن کے دور ہونے کے وقت لوگوں کے رویہ کے بدل جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اس لیے کہ یہ امراض نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو اللہ تعالیٰ نے بطور جزا و سزا کے عائد فرمایا ہے مثلاً: فرماں برداروں کے لیے انعام، نافرمانوں کے لیے عذاب، اُن میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے اُن کے گوش گزار ہو چکی تھیں، اور وہ اجمالی طریقہ سے اُن کا تذکرہ سن چکے تھے۔ مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے، اور حضرت ابراہیم اور انبیائے بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے یہود کے ساتھ طویل عرصہ اختلاط کی وجہ سے عرب کے کان آشنا تھے۔ نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس و یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کارآمد ہوں ذکر فرمایا ہے اور تمام قصوں کو ان کی تمام

”جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کے لیے خواہ عربی ہوں یا عجمی، شہری ہوں یا بدوی ہوا ہے۔ بدیں وجہ حکمت الہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر بآلاء اللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان کرے اور زیادہ بحث اور تفتیق سے کام نہ لے، اور اسماء و صفات کو ایسے سہل طریقے سے بیان فرمائے کہ افراد انسانی بغیر مہارت حکمت الہی اور بدون مزاولت علم کلام کے صرف اس فہم و ادراک کے ذریعے سے جو اصل فطرت میں ان کو عطا ہوا ہے بخوبی سمجھ سکیں۔“ [شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: الفوز الکبیر فی علم التفسیر، ترجمہ: مولانا رشید احمد انصاری، ص: ۲۲، ط: ۱، ۱۹۸۵ء، آزاد بک ڈپو اردو بازار سرگودھا]

تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”آلاء اللہ اور آیات قدرت میں سے صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو شہری، بدوی اور عرب و عجم یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ لہذا نفسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتقاقی ☆ لذتیں جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں ذکر نہیں کی گئیں۔ بنا بریں جن

☆..... ارتقاق کے حروف اصلی ”رفق“ ہیں۔ رفق (نرمی) عین (تختی) کا متضاد ہے۔ (ابن منظور: لسان العرب: ۱۶۹۳/۳۔ دارالمعارف، قاہرہ) شاہ ولی اللہ کے نزدیک ارتقاق سے مراد نفع بخش تدبیر ہے (حاشیہ الفوز الکبیر، ص: ۲۳) ارتقاق شاہ صاحب کی خاص اصطلاح ہے جس سے مراد وسائل زندگی سہل انداز سے ضروریات کے لیے استعمال کرنا۔ شاہ صاحب کے نزدیک چار اتفاقات ہیں۔ تفصیل کے لیے مجلہ القلم، ج: ۱۰، ش: ۱۰، ص: ۲۶۹-۲۹۰ کا مطالعہ کیجیے۔

خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو ان کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کرنے کی اصل غرض ہے فوت ہو جاتا ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی عارف نے کہا ہے جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کے ساتھ تلاوت قرآن مجید سے محروم ہو گئے اور جب سے مفسرین نے بعید و جہ میں موشگافی کی ہے علم تفسیر النادر کا معدوم ہو گیا ہے۔“

[الفوز الکبیر، ص: ۲۳، ۲۴]

شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”عملی مسائل کے بارے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ میسر امور کے ساتھ ہی حد بندی کی گئی ہے۔ مثلاً: اوقات کی بحث ہے، اوقات کی تعلیم اس طرح دی کہ تمام لوگ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ جیسے سایہ، آفتاب کے طلوع و غروب کی حالت اور شفق کا طلوع و غروب ہونا۔ اسی طرح روزے کو بھی ان امور سے منسلک کر دیا جو مخفی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مکلف مخلوق سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ وہ فلکیات سے آفتاب و مہتاب کی رفتار کا حساب لگائیں اور نہ رصد گاہ کا مطالبہ کیا کیوں کہ یہ چیز ہر کسی کو میسر نہیں۔ نیز جن لوگوں میں قرآن نازل ہوا ان کے لیے یہ چیزیں معروف بھی نہ تھیں اور نہ وہ ان علوم سے واقف ہی تھے۔“ [الموافقات: ۲/ ۸۸، ۸۹]

اس لیے قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے کہ جن مسائل کو قرآن نے واضح انداز سے بیان کیا ہے ان کو فلسفیانہ بحثوں میں الجھانے کی بجائے واضح انداز ہی میں بیان کیا جائے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی بحث ہے، اس کو فلسفے کی بحثوں میں گھسیٹنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں اور نہ بتکلف اس سے کوئی معنی نکالنے کی ہی ضرورت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص تکلف سے کوئی معنی نکال لیتا ہے جس کو وہ اچھی طرح نہ سمجھتا ہو تو اگرچہ وہ معنی و مفہوم درست بھی ہو پھر بھی وہ غیر محمود ہے۔ جب اس کا علم غلط اور درست میں فرق کا احاطہ نہیں کر سکتا تو غلطی کرنے پر وہ معذور نہ سمجھا جائے گا۔“ [محمد بن ادريس الشافعي، الرسالة، ص: ۵۳، ط: ۱۹۴۰ء۔ تحقیق و شرح: ابوالشبال احمد محمد شاكر الحلبي، القاهرة]

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

بِيَدِي﴾ [ص: ۷۵]

”فرمایا: ابلیس! تو نے اس کو سجدہ کیوں نہیں کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟“

بعض لوگ اس آیت کریمہ میں استعمال ہونے والا لفظ ”بیدی“ اور اس جیسے دیگر الفاظ کی تاویل اس طرح کرتے ہیں جو خلاف حقیقت ہوتی ہے اور اس کی کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہوتی ہے، نہ عربی لغت ہی اس کی تائید کرتی ہے۔ ”ید“ (ہاتھ) کا معنی نعمت کرنا لغت عرب کی روشنی میں درست نہیں۔

ابوالحسن اشعری کہتے ہیں:

”لسان العرب اور مخاطبین کے مطابق یہ کہنا درست نہیں کہ عملت کذا بیدی جب کہ ید کا معنی نعمت لیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ عرب سے ان کی لغت میں مخاطب ہوا ہے تو کلام کا مفہوم بھی عرب کے فہم کے مطابق لیا جائے گا۔ اہل بیان کے نزدیک (اگر ید کا معنی نعمت لیا جائے تو) کسی کہنے والے کا یوں کہنا درست نہیں:

فعلت بیدی

اس لیے یہ بات باطل ٹھہری کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿بیدی﴾ سے نعمت مراد لی جائے۔ ید کا معنی ”نعمت“ قرار دے کر یوں کہنا درست نہیں۔ لی علیہ ید.....

لغت سے ”ید“ کا معنی نعمت ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے جو شخص ید کا معنی نعمت کرنا چاہتا ہے وہ لغت سے ہرگز تفسیر نہیں کرتا۔ اگر لغت عرب کی طرف رجوع کرتا ہے تو لغت عرب میں ”یدی“ کا معنی ”نعمتی“ کا وجود نہیں۔ [ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری، الابانة عن اصول الديانة، ص: ۵۴، ط: ۱۴۰۰ھ جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، سعودی عرب]

فصل سوم:

قرآن کریم کو جدید اصطلاحات پر محمول کرنا
نزول قرآن کے وقت رائج اصطلاحات پر ہی قرآنی الفاظ کو محمول کرنا درست ہے۔ اگر قرآنی الفاظ کو نئی اصطلاحات پر منطبق کر کے ان کی تفسیر کی جائے تو تفسیر قائل (اللہ تعالیٰ) کی مراد کے خلاف ہوگی۔ خالد بن عثمان السبت قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لا يجوز حمل ألفاظ الكتاب على اصطلاح

حادث“ [قواعد التفسير: ۱/ ۲۳۰]

”قرآن کے الفاظ کو کسی جدید اصطلاح پر محمول نہیں کیا جائے گا۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی الفاظ اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت لوگوں میں متعارف تھا۔ اگر کسی زمانے میں کسی قرآنی لفظ کا کوئی ایسا مفہوم لیا جائے جو نزول قرآن کے وقت نہیں لیا جاسکتا تھا تو وہ مفہوم اس لفظ کا مدلول نہیں ہوگا۔

صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں:

”فكثير ما يفسر المفسرون كلمات القرآن

بالاصطلاحات التي حدثت في الملة بعد القرون

الثلاثة الأولى فعلى المدقق أن يفسر القرآن

بحسب المعاني التي كانت مستعملة في عصر

نزوله -“ [الشيخ محمد عبده، تالیف: السيد محمد رشيد

رضا: تفسير المنار: ۱/ ۲۰، ط: ۱۹۷۲ھ الهيئة المصرية

العامة للكتاب]

”قرآنی کلمات کی تفسیر مفسرین اکثر ان اصطلاحات سے کرتے ہیں جو (اسلام کے) پہلے تین زمانوں کے بعد ملت میں معرض وجود میں آئیں۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر ان معانی و مفاہیم کے مطابق کرے جو اس کے نزول کے وقت مستعمل تھے۔“

نیز انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

”يجب على من يريد الفهم الصحيح ان يتبع

الاصطلاحات التي حدثت في الملة، ليفرق بينها

وبين ماورد في الكتاب -“ [الشيخ محمد عبده،

تالیف: السيد محمد رشيد رضا: تفسير المنار: ۱/ ۲۰،

ط: ۱۹۷۲ھ الهيئة المصرية العامة للكتاب]

”جو شخص قرآن مجید کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے

لیے ضروری ہے کہ وہ ملت اسلامیہ میں رونما ہونے والی نئی

اصطلاحات کا تتبع (خوب مطالعہ) کرے تاکہ وہ قرآن میں

وارد شدہ اور نئی اصطلاحات میں فرق کر سکے۔“

یہی مفہوم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی

تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ حدیث یہ ہے:

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب بحرین کا حاکم بنا کر

بھیجا تو ان کو یہ پروا نہ لکھ دیا:

”بسم الله الرحمن الرحيم- هذه فريضة الصدقة

التي فرض رسول الله على المسلمين والتي أمر

الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمين على

وجهها فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط.....“

[صحيح بخارى، كتاب الزكوة: ۲۴، باب زكوة الغنم: ۳۸،

ح: ۱۴۵۴]

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

ہے۔ یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے مقرر فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔ اس لیے جو شخص مسلمانوں سے اس پر وائے کے مطابق زکوٰۃ مانگے تو مسلمان اسے دے دیں اور اگر کوئی اس سے زیادہ مانگے تو ہرگز نہ دے۔“

حدیث میں مستعمل لفظ ”فَرَضَ“ کی وضاحت کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فرض“ کا لفظی معنی کسی سخت چیز کو کاٹنا ہے۔ پھر مقرر کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا کیوں کہ جس چیز سے مقرر کیا جاتا ہے وہ اس سے کاٹ کر الگ کیا گیا ہوتا ہے اور بیان کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ [التحریم: ۲]

”اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کا کفارہ بیان کیا ہے۔“ اور نازل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ﴾ [القصص: ۸۵]

”بے شک جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے۔“ اور حلال کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ﴾

[الاحزاب: ۳۸]

”پیغمبر پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔“

یہ سب مقرر کرنے کے معنی سے نہیں نکلتے ہیں۔ ”فرض“ کا استعمال لازم کرنے کے معنی میں بھی ہوا ہے، کہ اُس کا اس معنی میں اکثر استعمال ہے اور یہ بھی مقرر کرنے کے معنی سے خارج نہیں ہوتا۔ آگے چل کر حدیث میں استعمال ہونے والے لفظ کے معنی

کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کو فقہاء کے ہاں استعمال ہونے والے لفظ فرض کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

”اللفظ السابق لا يحمل على الاصطلاح

الحادث“ [احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح

الباری: ۳/ ۳۱۸۔ رئاسة ادارة البحوث العلميه والافتاء

والدعوة والارشاد سعودي عرب]

”مذکورہ لفظ جدید اصطلاح پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔“

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ ”فرض“ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”فرض“ کا معنی سخت چیز کو کاٹنے اور اس میں نشان ڈالنے کے ہیں۔ مثلاً:

فرض الحديد (لوہے کو کاٹنا)، فرض القوس (کمان کا چلہ)، فرض الزند (چقماق کا ٹکڑا) اور فرض الماء (دریا کا دھانہ)۔ آیت کریمہ ﴿لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ [النساء: ۱۱۸] ”میں ان سے ایک مقرر و معلوم حصہ ضرور لے لوں گا“ میں بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد معلوم حصہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے کاٹ کر الگ کیا ہوا۔ ”فرض“ واجب کی طرح ہے مگر واجب اس کے وقوع اور ثبات کے اعتبار سے قطعی ہوتا ہے اور فرض کے معنی بلحاظ کلمہ قطعی ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ [النور: ۱]

”یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کو ”فرض“ کر دیا ہے۔“ یعنی اس پر عمل کرنا واجب اور لازمی قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ﴾ [القصص: ۸۵]

”یعنی اس پر عمل کرنا تجھ پر واجب قرار دیا ہے۔..... ہر وہ مقام جہاں فرض کے بعد علی (پر) کا لفظ آیا ہے اس کے معنی کسی چیز کے واجب اور ضروری قرار دینے کے ہیں اور جہاں فرض کے بعد

ل (لام حرف جار) آیا ہے تو اس کا معنی کسی چیز سے بندش کو دور کرنے اور اسے مباح کر دینے کے ہیں۔“ [ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی: المفردات فی غریب القرآن۔ ترجمہ محمد عبدہ الفلاح، المكتبة القاسمية چوک دالگراں لاہور۔ مادہ: فرض۔ ط: ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء]

معلوم ہوا کہ متاخرین کے ہاں جو فرض کا مفہوم ہے وہ متقدمین سے مختلف ہے۔ اسی طرح ”صدقہ“ کا لفظ متاخرین کے ہاں نفل صدقات کے لیے بولا جاتا ہے۔ جب کہ قرآن میں آنے والا لفظ الصدقة کا اطلاق صرف اسی معنی پر نہیں ہوتا بلکہ واجب صدقہ (زکوٰۃ) اور نفل صدقات دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

”اسم الصدقة يقع على الزکوٰۃ“

[فتح الباری: ۳/۳۱۸]

”صدقہ کا لفظ زکوٰۃ کے لیے بولا جاتا ہے۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے الصدقات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ ط فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

[التوبة: ۶۰]

”صدقات (زکوٰۃ) تو انہی لوگوں کا حق ہے: فقراء، مساکین، صدقات کے عاملین، جن کی تالیف قلبی مقصود ہو، غلاموں کو آزاد کروانے کے لیے، قرض دار (جو اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں)، فی سبیل اللہ (جہاد وغیرہ میں) اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ تعالیٰ کا قانون (مقرر کردہ) ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

اسی طرح لفظ ”التاویل“ ہے۔ صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں:

”تاویل“ کا لفظ مطلق طور پر تفسیر کے معنی میں مشہور ہو گیا ہے، یا مخصوص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن میں دوسرے معانی کے لیے آیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ط يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

[الاعراف: ۵۳]

”یہ تو اس (عذاب) کی حقیقت ظاہر ہونے (واقع ہونے) کا انتظار کر رہے ہیں۔ جس دن اس کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھول بیٹھے تھے کہیں گے: بے شک ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات لے کر آئے تھے۔“ [تفسیر المنار: ۱/۲۰۰]

یہاں تاویل سے کیا مراد ہے؟ یعنی یہاں تاویل کا لفظ تفسیر کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

ایک مثال قرآنی لفظ ”شیعة“ سے دی جاسکتی ہے۔ بعض لوگوں نے قرآنی آیت ﴿وَإِن مِّن شِيعَةٍ لِابِرَاهِيمَ﴾ (اس نوح علیہ السلام) کے ”شیعوں“ میں سے ابراہیم بھی تھے کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ”شیعة“ قرار دیا ہے، حالاں کہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تو دور کی بات ہے اس نام کا کوئی فرقہ نزول قرآن کے وقت بھی موجود نہیں تھا۔ ابوالحسن مبشر احمد ربانی مذکورہ اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”لفظ شیعة کا معنی گروہ اور فرقہ ہے۔ قرآن مجید میں لفظ شیعة کسی خاص مذہب کے لیے مستعمل نہیں ہوا۔ شیعة حضرات کا اپنے مذہب کی حقانیت کے لیے مندرجہ بالا آیت کو پیش کرنا قطعاً درست نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس کا معنی گروہ ہے نہ کہ موجودہ شیعة۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام کے گروہ سے تھے۔ یعنی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی نبی تھے۔

قرآن مجید نے جہاں بھی ابراہیم علیہ السلام کے دین کا ذکر کیا ہے،

وہاں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ [آل عمران: ۶۷]

”ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی لیکن وہ تو یک سو مسلم تھے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا دین بیان کرتے ہوئے ﴿حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ کہا ہے۔ اگر وہ مذہباً شیعہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے:

”مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ شَيْعَةً۔“

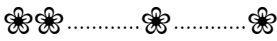
لیکن قرآن میں اس طرح مذکور نہیں۔ [آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں: ۸/۱، ط: ۱۹۹۹ء مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور]

”شیعہ“ کا لفظ اپنی مختلف شکلوں میں گیارہ مرتبہ قرآن مجید

میں استعمال ہوا ہے۔ شیعہ ایک بار، شیعہ تین مرتبہ، شیعہ ایک بار، شیعہ چار دفعہ، اشیاعکم اور اشیاعہم ایک ایک بار استعمال ہوئے ہیں۔ [محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الكريم، ص: ۳۹۸، مادہ: شیع، ط: ۱۳۶۴ھ، مطبعة دار الكتب المصرية، قاہرہ]

ان سبھی مقامات کو اور شیعہ فرقہ کی تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے لفظ شیعہ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اسی طرح المدینہ اور القریہ کے الفاظ ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں ایک معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ [دیکھیے: مفردات ألفاظ القرآن فی غریب القرآن، ص: ۴۰۲] لیکن متاخرین القریہ کو دیہات اور المدینہ کو شہر کہتے ہیں۔ [جاری ہے]



بسم الله الرحمن الرحيم

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَئُتْ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ

بانی بحر العلوم

شیخ القرآن والحديث علامہ محمد یوسف (کلکتہ والے)

ادارہ اسلامیہ

بحر العلوم سعودیہ (رجسٹرڈ)

قرآن وحدیث علم وحکمت اور علوم شرقیہ کے بحر عمیق

میں داخلہ جاری ہے

بحر العلوم سعودیہ، علامہ یوسف روڈ، حامل سٹریٹ، کراچی نمبر 1

فون نمبر: 021-4981264 / 021-2620059

شعیب بن یوسف

**الداعی
الی الخیر**

التأسيس في مسألة التدليس

حافظ زبیر علی زئی

حمید الطویل

آپ صحاح ستہ کے مشہور راوی ہیں۔

امام شعبہ فرماتے ہیں:

”لم يسمع حميد من أنس إلا أربعة وعشرين

حديثاً والباقي سمعها (من ثابت) أو ثبته فيها

ثابت“ [تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ الدوری ج ۲

ص ۱۳۵ ت ۴۵۸۲ واسنادہ صحیح]

”حمید نے انس (رضی اللہ عنہ) سے صرف چوبیس احادیث سنی ہیں

اور باقی ثابت سے سنی ہیں یا ثابت نے انھیں یاد کرائی ہیں۔“

امام بخاری فرماتے ہیں:

”وكان حميد الطويل يدلس -“ [العلل الكبير

للترمذی ۳۷۶/۱]

ابن عدی نے الکامل میں ان کے دلس ہونے کی صراحت کی

ہے۔ [ج ۲ ص ۶۸۴]

ابن سعد نے کہا:

”ثقة كثير الحديث إلا أنه ربما دلس عن أنس

بن مالك“ [الطبقات الكبرى ج ۷ ص ۲۵۲]

”آپ ثقہ کثیر الحدیث تھے مگر کبھی کبھار انس بن مالک سے

تدلیس کرتے تھے۔“

حافظ ابن حبان نے لکھا ہے:

”وكان يدلس ، سمع من أنس بن مالك ثمانية

عشر حديثاً وسمع الباقي من ثابت فدلّس عنه“

[الثقات ج ۴ ص ۱۴۸]

”آپ تدلیس کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے اٹھارہ احادیث

سنیں اور باقی تمام روایات ثابت سے سنیں پھر آپ نے یہ

روایات ثابت سے تدلیس کرتے ہوئے بیان کیں۔“

حافظ ذہبی نے کہا:

”ثقة جليل، يدلس -“ [میزان الاعتدال ج ۱ ص

۶۱۰]

حافظ ابن حجر فیصلہ کرتے ہیں کہ ”ثقة مدلس“

[تقريب التهذيب ص ۸۴]

اور لکھتے ہیں: ”صاحب أنس ، مشهور كثير

التدليس عنه ، حتى قيل : أن معظم حديثه عنه بواسطة

ثابت وقتادة“

”(سیدنا) انس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں آپ ان سے بہت

زیادہ تدلیس کرتے تھے حتیٰ کہ یہ کہا گیا ہے کہ آپ کی اکثر

روایات ان سے ثابت اور قتادہ کے واسطے سے ہیں۔ [تعريف

اهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس ص ۸۶]

المعروف بطبقات المدلسين]

جب کہ قتادہ کو درج ذیل علماء نے دلس قرار دیا ہے:

- (۱) شعبہ (مسئلة التسمية لمحمد بن طاهر المقدسی ص ۴۷ وسنده صحيح)
- (۲) ابن حبان (الثقات ۵ / ۳۲۲)
- (۳) حاکم (المستدرک ۱ / ۲۳۳)
- (۴) ذہبی (میزان الاعتدال ۳ / ۳۸۵)
- (۵) دارقطنی (الالزامات والتتبع ص ۲۶۳)
- (۶) حافظ ابن حجر (طبقات المدلسین: ۹۲ / ۳)
- (۷) العلائی (جامع التحصیل ص ۱۰۸)
- (۸) ابو زرعه ابن العراقي (کتاب المدلسین: ۴۹)
- (۹) الحلبي (التبيين لاسماء المدلسین: ۴۶)
- (۱۰) السيوطی (اسماء من عرف بالتدليس: ۵۵)
- (۱۱) ابو محمود المقدسی (فی قصیدتہ)
- (۱۲) الخطیب البغدادی (الكفایہ ص ۳۶۳) وغیرہم

سفيان الثوري

آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور زبردست ثقہ امام ہیں، آپ کا دلس ہونا بہت زیادہ مشہور ہے حتیٰ کہ آپ کے شاگرد بھی آپ کی اس عادت سے واقف تھے۔ مثلاً: ابو عاصم کما تقدم امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

”قال يحيى بن سعيد: ما كتبت عن سفيان شيئاً إلا ما قال: حدثني أو حدثنا إلا حديثين -“
[کتاب العلل ومعرفة الرجال ج ۱ ص ۲۰۷ ت ۱۱۳۰،

وسنده صحيح]

”یحییٰ بن سعید نے کہا: میں نے سفيان سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں وہ ”حدثني“ اور ”حدثنا“ کہتے ہیں سوائے دو حدیثوں کے۔“ (اور ان دو کو یحییٰ نے بیان کر دیا۔)

امام علی بن عبد اللہ المدینی گواہی دیتے ہیں:

”والناس يحتاجون في حديث سفيان إلى يحيى القطان لحال الإخبار يعني عليّ أن سفيان كان يدلس وأن يحيى القطان كان يوقفه عليّ ما سمع مما لم يسمع“ [الكفاية للخطيب ص ۳۶۲ و اسناده صحيح]

”لوگ سفيان کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں کیوں کہ وہ سماع کی صراحت والی روایات بیان کرتے تھے۔ علی بن المدینی کا خیال ہے کہ سفيان تدلیس کرتے تھے، یحییٰ القطان ان کی معتن اور مصرح بالسماع روایتیں ہی بیان کرتے تھے۔“

اس جیسی متعدد مثالوں کی وجہ سے ائمہ حدیث نے امام سفيان بن سعید الثوری کو دلس قرار دیا ہے مثلاً:

- (۱) يحيى بن سعيد القطان (ديكهي الكفاية ص ۳۶۲ وسنده صحيح)
- (۲) البخاري (العلل الكبير للترمذی، ج ۲ ص ۹۶۶، التمهيد لابن عبد البر ج ۱ ص ۱۸)
- (۳) يحيى بن معين (الكفاية ص ۳۶۱ وسنده صحيح، الجرح والتعديل ۴ / ۲۲۵ وسنده صحيح)
- (۴) ابو محمود المقدسی (قصيدة في المدلسين ص ۴۷ الشعر الثاني)
- (۵) السبط ابن الحلبي (التبيين لاسماء المدلسين ص ۹ رقم ۲۵)
- (۶) ابن التركماني الحنفي (الجواهر النقي ج ۸ ص ۲۶۲)
- (۷) الذهبي (میزان الاعتدال ۲ / ۱۶۹)
- (۸) صلاح الدين العلائی (جامع التحصیل ص ۹۹، ۱۰۶)

(۹) ابن حجر (تقریب التہذیب : ۲۴۴۵ و طبقات المدلسین : ۲/۵۱)

(۱۰) ابن رجب (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۳۵۸)
(۱۱) السيوطی (اسماء المدلسین : ۱۸)

(۱۲) ابو عاصم النبیل : الضحاک بن مخلد (سنن الدارقطنی ۲۰۱/۳ وسندہ صحیح)

(۱۳) النووی (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳)

(۱۴) حافظ ابن حبان (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۸۵)

(۱۵) یعقوب بن سفیان الفارسی (کتاب المعرفة والتاریخ ج ۲ ص ۶۳۳، ۶۳۷)

(۱۶) ابو حاتم الرازی (علل الحديث ج ۲ ص ۲۵۴ ح ۲۲۵۵)

(۱۷) الحاكم (معرفة علوم الحديث ص ۱۰۷)

(۱۸) علی بن المدینی (الكفاية ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

(۱۹) هشیم بن بشیر الواسطی (الکامل لابن عدی ۲۵۹۶/۷ وسندہ صحیح)

(۲۰) ابو زرعه ابن العراقی (کتاب المدلسین : ۲۰)

(۲۱) قسطلانی (ارشاد الساری ۱/۲۸۶)

(۲۲) عینی (عمدة القاری ۳/۱۱۲)

(۲۳) کرمانی (شرح صحیح البخاری ۳/۶۲ ح ۲۱۳)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

”وكان يدلّس في روايته ، وربما دلّس عن الضعفاء“ [سير اعلام النبلاء ج ۷ ص ۲۴۲، نیز دیکھئے

میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۶۹ والسير ج ۷ ص ۲۷۴]

”آپ اپنی روایت میں تدلیس کرتے تھے اور بسا اوقات ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کر جاتے تھے۔“
حافظ العلاء لکھتے ہیں:

”من يدلّس عن أقوام مجهولين لا يدري من هم كسفيان الثوري ... إلخ - [جامع التحصيل في احكام المراسيل ص ۹۹]

”مثلاً وہ لوگ جو ایسے مجہول لوگوں سے تدلیس کریں جن کا کوئی اتا پتا نہ ہو، جیسے سفیان ثوری (کی تدلیس)۔“..... إلخ
حافظ ابن حبان البستی فرماتے ہیں:

”وأما المدلسون الذين هم ثقات و عدول ، فإننا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رواوا مثل الثوري والأعمش وأبي إسحاق وأضرابهم من الأئمة المتقنين ...“ [الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان ج ۱ ص ۹۰]

”وہ مدلس راوی جو ثقہ و عادل ہیں ہم ان کی صرف ان روایات سے ہی دلیل لیتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں۔ مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابواسحاق وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے۔“ إلخ
بلکہ مزید فرماتے ہیں:

”الثقات المدلسون الذين كانوا يدلّسون في الأخبار مثل قتادة ويحيى ابن أبي كثير والأعمش وأبو إسحاق وابن جريج وابن إسحاق والثوري وهشيم ... فرمادلسوا عن الشيخ بعد سماعهم عنه عن أقوام ضعفاء لا يجوز الاحتجاج بأخبارهم ، فما لم يقل المدلس وإن كان ثقة : حدثني أو سمعت ، فلا يجوز الاحتجاج بخبره“

”وہ ثقہ مدلس راوی جو اپنی احادیث میں تدلیس کرتے تھے مثلاً قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، عثم، ابواسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری اور ہشیم، بعض اوقات آپ اپنے اس شیخ سے جس سے سنا تھا وہ روایت بطور تدلیس بیان کر دیتے جنہیں انھوں نے ضعیف ناقابل حجت لوگوں سے سنا تھا۔ تو جب تک مدلس اگر چہ ثقہ ہی ہو یہ نہ کہے ”حدثنی“ یا ”سمعت“ اس نے مجھے حدیث بیان کی یا میں نے سنا (وغیرہ) تو اس کی خبر سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔“

[المجروحین ج ۱ ص ۹۲]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔ نیز دیکھئے الکامل لابن عدی (ج ۱ ص ۲۲۴ ترجمہ ابراہیم بن ابی یحییٰ الاسلمی) التمهید (ج ۱ ص ۱۸)

سلیمان الأعمش

آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور بالاتفاق ثقہ محدث ہیں۔

الأعمش ”عن أبي صالح عن أبي هريرة“ کی سند کے ساتھ نبی ﷺ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

”الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن“ إلخ امام ضامن اور مؤذن امین ہے۔

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں اسی سند کے ساتھ موجود ہے:

سنن الترمذی (ج ۲۰۷) الام للشافعی (ج ۱ ص ۱۵۹) شرح السنة للبغوی (ج ۲ ص ۲۷۹) مسند احمد (ج ۲ ص ۴۲۴، ۴۶۱، ۴۷۲، ۲۸۴) مصنف عبد الرزاق (ج ۱۸۳۸) مسند طیالسی (ج ۲۴۰) اخبار اصبهان لابی نعیم (ج ۲ ص ۲۳۲) صحیح ابن خزيمة (ج ۳ ص ۱۵)

مسند الحمیدی (نسخة ظاهريه بتحقيق ص ۶۹۲ ج ۱۰۰۵) مشکل الآثار للطحاوی (ج ۳ ص ۵۲، ۵۶) المعجم الصغير للطبرانی (ج ۱ ص ۱۰۷ ج ۲ ص ۱۳) تاریخ بغداد للخطیب (ج ۳ ص ۲۴۲، ج ۴ ص ۳۸۷، ج ۱ ص ۳۰۶) حلیۃ الاولیاء (ج ۸ ص ۱۱۸) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۱ ص ۴۳۰) العلل المتناهیہ لابن الجوزی (ج ۱ ص ۴۳۶)

اس روایت کی کسی ایک صحیح سند میں بھی الأعمش کی ابوصالح سے تصریح سماع ثابت نہیں ہے۔

مروی ہے کہ سفیان ثوری فرماتے ہیں:

”لم يسمع الأعمش هذا الحديث من أبي صالح“ [تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۲۳۶ ت ۲۴۳۰] وسنده ضعيف، ابن معین لم يدرك سفیان الثوری ”أعمش نے یہ حدیث ابوصالح سے نہیں سنی۔“ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

”هذا حديث لا يصح، قال أحمد بن حنبل: ليس لهذا الحديث أصل، ليس يقول فيه أحد عن الأعمش أنه قال: نا أبو صالح والأعمش يحدث عن ضعاف...“

[العلل المتناهیہ ج ۱ ص ۴۳۷]

”یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا: اس حدیث کی اصل نہیں ہے۔ اس میں کوئی (ثقہ غیر مدلس) أعمش سے یہ نہیں کہتا کہ ”حدثنا أبو صالح“ اور أعمش ضعیف راویوں سے حدیث بیان کرتے تھے۔“

یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ مشکل الآثار للطحاوی کی ایک روایت میں ہے:

”هشيم عن الأعمش قال: ثنا أبو صالح۔“ إلخ

[ج ۳ ص ۵۲]

لیکن یہ روایت ضعیف ہے: ہشیم مدلس ہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

یہی روایت سنن ابی داود (ح ۵۱۷) مسند احمد (ج ۲ ص ۲۲۳) سنن بیہقی (ج ۱ ص ۴۳۰) اور التاریخ الكبير للبخاری (ج ۱ ص ۷۸) میں ”عن محمد بن فضیل عن الأعمش عن رجل عن أبي صالح“ کی سند کے ساتھ موجود ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

”عن ابن نمير عن الأعمش قال: نبئت عن أبي

صالح ولا أرى إلا قد سمعته منه۔“ [ح ۵۱۸]

”اعمش سے روایت ہے کہ: مجھے ابوصالح سے یہ خبر پہنچی ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ میں نے اسے ان سے خود سنا ہے۔“

طحاوی (ج ۲ ص ۵۳) کی ایک روایت میں ہے:

”عن شجاع بن الوليد عن الأعمش قال:

حدثت عن أبي هريرة“

”اعمش سے روایت ہے کہ مجھے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے۔“

ترمذی فرماتے ہیں:

”رواه أسباط بن محمد عن الأعمش قال:

حدثت عن أبي صالح۔“ إلخ [ح ۲۰۷]

”اسباط نے اعمش سے روایت کیا کہ مجھے یہ خبر ابوصالح سے پہنچی ہے۔“

اس پر تفصیلی بحث راقم الحروف نے مسند الحمیدی کی تخریج میں کی ہے تاہم اس بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ اعمش نے ابوصالح سے یہ حدیث قطعاً نہیں سنی، یہ علیحدہ بات ہے کہ حدیث ”الإمام

ضامن“ دوسری سندوں کی وجہ سے حسن ہے۔

امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں:

”کتبت عن الأعمش أحاديث عن مجاهد كلها

ملزقة لم يسمعها“ [تقدمة الجرح والتعديل ص ۲۴۱

و اسنادہ صحیح]

”میں نے اعمش سے ”عن مجاهد“ احادیث لکھیں، یہ

تمام روایات مجاہد سے منسوب ہیں، اعمش نے انھیں نہیں سنا۔“

امام یحییٰ القطان کے بیان کی تصدیق امام ابو حاتم رازی کے بیان سے بھی ہوتی ہے:

”أن الأعمش قليل السماع من مجاهد وعامة

ما يروي عن مجاهد مدلس“ [علل الحديث ج

۲ ص ۲۱۰ ح ۲۱۱۹]

”اعمش کا مجاہد سے سماع بہت تھوڑا ہے اور آپ کی مجاہد سے

عام مرویات تدلیس شدہ ہیں۔“

ایک روایت ”الثوري عن الأعمش عن إبراهيم

التيمي عن أبيه عن أبي ذر“ پیش کرنے کے بعد امام ابو حاتم

الرازی فرماتے ہیں:

”هذا حديث باطل، يروون أن الأعمش أخذه

من حكيم بن جبير عن إبراهيم عن أبيه عن أبي

ذر۔“ [علل الحديث ج ۲ ص ۲۷۲۴]

”یہ حدیث باطل ہے، ان (محدثین) کا خیال ہے کہ اسے

اعمش نے حکیم بن جبیر ”عن إبراهيم عن أبيه عن أبي

ذر“ سے لیا ہے۔“

اس قسم کی ایک مثال معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۱۰۵)

میں بھی ہے مگر وہ سند اسماعیل بن محمد الشمرانی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خطیب نے صحیح سند کے ساتھ (محمد بن عبد اللہ) بن عمار

(الموصلی) سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو

- (۴) ابن خزیمہ۔ (کتاب التوحید واثبات صفات الرب ص ۳۸)
- (۵) الذہبی فرماتے ہیں: ”وہو یدلس وریما دلس عن ضعیف ولا یدری بہ“ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۴)
- (۶) العلامی۔ (جامع التحصیل ص ۱۰۱، ۱۰۲)
- (۷) ابن حجر۔ (التلخیص الحبیبر ج ۳ ص ۱۹)
- (۸) السیوطی۔ (اسماء المدلسین: ۲۱)
- (۹) ابن عبد البر۔ (التمہید ج ۱ ص ۲۲۸)
- (۱۰) یعقوب بن سفیان الفارسی۔ (المعرفة والتاریخ ج ۲ ص ۶۳۳)
- (۱۱) ابن حبان۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲)
- (۱۲) برہان الدین ابن العجمی۔ (التبیین لاسماء المدلسین ص ۱۰ دوسرا نسخہ ص ۳۱)
- (۱۳) ابو محمود المقدسی۔ (قصیدتہ فی المدلسین ص ۳۳)
- (۱۴) ابن الصلاح۔ (علوم الحدیث ص ۹۹)
- (۱۵) ابن کثیر۔ (اختصار علوم الحدیث ص ۴۵)
- (۱۶) العراقی۔ (الفیہ ج ۱ ص ۱۷۹)
- (۱۷) ابوزرعہ ابن العراقی۔ (کتاب المدلسین: ۲۵)
- (۱۸) نووی۔ (شرح صحیح مسلم ۷۲/۱ تحت ح ۱۰۹) وغیرہم
- تاریخ یعقوب بن سفیان الفارسی میں روایت ہے:
- عن الأعمش عن شقیق قال: کنا مع حذیفہ جلوساً..... إلخ - [ج ۲ ص ۷۷۱]
- اس روایت میں صاحب سرا النبی ﷺ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو متفق قرار دیا ہے۔ یہ کوئی غصے کی بات نہیں
- معاویہ نے اعمش کو ”ہشام عن سعید العلاف عن مجاہد“ ایک روایت سنائی، جس کو سننے کے بعد اعمش نے ”عن مجاہد“ روایت کر دیا۔ اور بعد میں اعتراف کیا کہ میں نے اسے ابو معاویہ سے سنا ہے۔ [الكفایہ ص ۳۵۹ وسندہ صحیح]
- ابو سعید عثمان بن سعید الدارمی کا خیال ہے کہ اعمش تدلیس الترویہ بھی کرتے تھے یعنی ضعیف (وغیرہ) راویوں کو سند کے درمیان وغیرہ سے گرا دیتے تھے۔ [تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۹۵۲]
- حافظ ابن عبد البر الاندلسی فرماتے ہیں:
- ”وقالوا: لا یقبل تدلیس الأعمش، لأنه إذا وقف أحوال علی غیر ملئ یعنون علی غیر ثقة، إذا سأله عن هذا؟ قال: عن موسى بن طریف وعبایہ بن ربیع والحسن بن ذکوان“ [التمہید ج ۱ ص ۳۰ شرح علل الترمذی لابن رجب ج ۱ ص ۳۱۹ جامع التحصیل ص ۸۰، ۸۱، ۱۰۱]
- ”اور انھوں (محدثین) نے کہا: اعمش کی تدلیس غیر مقبول ہے کیونکہ انھیں جب (معتن روایت میں) پوچھا جاتا تو غیر ثقہ کا حوالہ دیتے تھے۔ آپ پوچھتے یہ روایت کس سے ہے؟ تو کہتے موسیٰ بن طریف سے، عبایہ بن ربیع سے اور حسن بن ذکوان سے۔“
- ان جیسے بے شمار دلائل کی وجہ سے درج ذیل ائمہ محدثین نے امام اعمش کو مدلس قرار دیا ہے:
- (۱) شعبہ بن الحجاج۔ (مسئلة التسمية لمحمد بن طاهر ص ۴۷ وسندہ صحیح)
- (۲) دارقطنی۔ (العلل الواردة فی الاحادیث النبویہ ۱۰/۹۵ مسئلہ: ۱۸۸۸)
- (۳) ابو حاتم رازی۔ (علل الحدیث ج ۱ ص ۱۴ ح ۹)

ہے، سیدنا حدیث کا منافقین کو پہچاننا عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے اور اس پہچان کی بنیاد حدیث رسول ہے۔ لہذا اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو مرفوع حکماً ہوتی، مگر اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

اسی طرح مستدرک الحاکم (ج ۴ ص ۱۳) میں ”الأعمش عن أبي وائل عن مسروق عن عائشة رضي الله عنها.....“ إلخ

اس روایت میں ام المؤمنین مشہور صحابی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تکذیب فرماتی ہیں۔ جو ناقابل تسلیم ہے لہذا حاکم اور ذہبی کا اسے صحیح قرار دینا غلط ہے، جب کہ اعمش کے سماع کی تصریح بھی نہیں ہے۔ خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”إسناده ثقات لكن الأعمش مدلس“ إلخ

[سير اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۶۲]

”اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اعمش مدلس ہیں۔“..... إلخ

حافظ ابن حجر ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”لأنه لا يلزم من كون رجاله ثقات أن يكون صحيحاً، لأن الأعمش مدلس ولم يذكر سماعه

من عطاء...“ [التلخيص الحبير ج ۳ ص ۱۹،

السلسلة الصحيحة للشيخ الالباني ج ۱ ص ۱۶۵، نیز

ديكهنه التمهيد: ج ۱ ص ۳۲، ۳۳]

”کیوں کہ کسی سند کے راویوں کا ثقہ ہونا صحیح ہونے کو لازم

نہیں ہے، چون کہ اعمش مدلس ہے اور اس نے عطاء سے اپنا

سماع (اس حدیث میں) ذکر نہیں کیا ہے۔“

محمد بن اسحاق بن یسار

آپ سنن وغیرہ کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ

ہیں۔ [عمدة القاری ج ۷ ص ۲۷۰]

متعدد ائمہ حدیث نے محمد بن اسحاق کو مدلس قرار دیا ہے۔ مثلاً:

(۱) احمد بن حنبل۔ (سؤالات المروزی: ۱، جمع ابی عوانہ الاسفرائینی ص ۳۸ و سندہ صحیح، وتاریخ بغداد ۱/ ۲۳۰ و سندہ صحیح)

(۲) الذہبی۔ (فی ارجوزتہ)

(۳) ابو محمود المقدسی۔ (فی قصیدتہ)

(۴) ابن حجر۔ (التقریب: ۵۷۲۵)

(۵) الہیثمی۔ (مجمع الزوائد ۳/ ۲۶۲، ۶/ ۲۸۶)

(۶) السیوطی۔ (اسماء من عرف بالتدلیس: ۴۴)

(۷) ابن العجمی۔ (التبیین ص ۴۷)

(۸) ابن خزیمہ۔ (ج ۱ ص ۷۱ ح ۱۳۷)

(۹) ابن حبان۔ (المجروحین ۱/ ۹۲)

(۱۰) العلاءئی۔ (جامع التحصیل ص ۱۰۹)

(۱۱) ابو زرعہ ابن العراقی۔ (کتاب المدلسین: ۵۱)

وغیرہم

میرے علم کے مطابق کسی نے بھی محمد بن اسحاق کی تدلیس کا انکار نہیں کیا، گویا اس کی تدلیس بالاجماع ثابت شدہ ہے۔

ابو اسحاق السبعمی

آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

مغیرہ (بن مقسم الضبی) کہتے ہیں:

”أهلك أهل الكوفة أبو إسحاق و أعمشكم

هَذَا“ کوفہ والوں کو ابو اسحاق اور تمھارے اعمش نے ہلاک کر دیا

ہے۔ [احوال الرجال للجوزجانی ص ۸۱ و سندہ صحیح]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”يعني للتدليس“ یعنی تدلیس کی

وجہ سے۔ [تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۹، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۴]

آپ کی تدلیس کا ذکر سابقہ صفحات پر بھی گزر چکا ہے۔

ابو اسحاق نے ایک دفعہ ”عن أبي عبد الرحمن

السلمي عن علي“ کی سند سے ایک حدیث بیان کی تو کہا گیا

کہ کیا آپ نے یہ حدیث ابو عبد الرحمن سے سنی ہے؟ تو ابواسحاق نے کہا:

(۲) ابن حبان۔ (کتاب المجروحین ۱/ ۹۲، صحیح ابن حبان ۶۱/ ۱)

(۳) ابن العجمی الحلبي۔ (التبيين ص ۴۴)

(۴) ابو محمود المقدسی۔ (فی قصیدتہ)

(۵) الحاكم۔ (معرفة علوم الحديث ص ۱۰۵)

(۶) الذهبي۔ (فی ارجوزتہ)

(۷) العسقلانی۔ (طبقات المدلسین: ۳۱/ ۹۱)

(۸) ابن خزيمة۔ (ج ۲ ص ۱۵۲ ح ۱۰۹۶)

(۹) العلاءي۔ (جامع التحصيل ص ۱۰۸)

(۱۰) السيوطي۔ (اسماء المدلسین: ۴۱)

(۱۱) ابو زرعہ ابن العراقي۔ (کتاب المدلسین: ۴۷)

المديني [

”ما أدري سمعته (منه) أم لا ولكن حدثني عطاء بن السائب عن أبي عبد الرحمن“ [تقدمة الجرح والتعديل ص ۱۶۷ و اسنادہ صحیح، نیز دیکھئے تہذيب التهذيب ج ۸ ص ۵۹ بحوالہ العلل لابن

المديني]

”مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے ان سے سنی ہے یا نہیں، لیکن مجھے عطاء بن السائب نے یہ حدیث ابو عبد الرحمن سے سنائی ہے۔“

اس قسم کی متعدد مثالوں کی وجہ سے درج ذیل علمائے کرام نے ابواسحاق کو مدلس قرار دیا ہے:

(۱) شعبہ۔ (مسئلة التسمیہ ص ۴۷ و سندہ صحیح)

وغیر ہم [جاری ہے]

کار آمد کتب کا مطالعہ فرمائیے

کتاب وسنت کی روشنی پھیلانے کے لیے اور اہل بدعت کی طرف سے کتاب وسنت پر حملوں کا دفاع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں نہایت ہی مفید اور کارآمد ہیں۔ ان کی افادیت مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہوگی۔

- ①..... راہ نجات جس میں کتاب وسنت اور فقہ حنفی کا تقابلی جائزہ مذکور ہے۔ ②..... کتاب رفع الیدین (زر آمین بالجہر اس میں ان دو مسئلوں پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ ③..... کتاب قراءة الفاتحة خلف الامام اس کتاب میں سورة الفاتحة کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ ④..... العروة الوثقی یہ کتاب مدینہ یونیورسٹی نے عقیدہ کی درستی سے متعلق شائع کی تھی۔ (میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے تاکہ عوام الناس اس سے استفادہ کریں۔)

ملنے کے پتے

- ① دار القرآن، الفضل مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور ② نعمانی کتب خانہ، اردو بازار۔ لاہور ③ اسلامی اکیڈمی، اردو بازار۔ لاہور
- ④ مکتبہ دارالرحمن، الفیصل ٹاؤن بی بلاک غازی روڈ لاہور کینٹ ⑤ مکتبہ اصحاب الحدیث، حسن مارکیٹ چھلی منڈی، اردو بازار۔ لاہور
- ⑥ میاں انٹر پرائزز، الفضل مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور ⑦ محمدی کیسٹ ہاؤس، 18 اردو بازار۔ لاہور

مصنف شیخ الحدیث رحمت اللہ ربانی خطیب مسجد بلال اہل حدیث، الفیصل ٹاؤن بی بلاک، غازی روڈ۔ لاہور کینٹ

فون: 6670152 موبائل: 0333-4952926

علامہ جاوید احمد غامدی

فکر کا تجزیاتی مطالعہ

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

ملت نے یکسر طور پر مسترد کیا ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات کوئی نئی تعلیمات نہیں ہیں کہ اسلامی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ پہلی بار کسی شخصیت پر القاء ہوئی ہوں، بلکہ دین اس تعامل و تسلسل کا نام ہے جس پر شروع سے مومنین گامزن رہے ہیں۔

علامہ جاوید صاحب عقلیت کے زیر اثر اس اہم نکتے کے فہم سے قاصر رہے ہیں کہ دین اسلام کے سلسلہ میں اللہ کی حکمت بالغہ اس امر کی متقاضی ہوئی کہ ختم نبوت کے بعد قرآن و سنت کی بنیاد پر بنیادی اسلامی علوم کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایسی ہستیاں بھی کھڑی کی جائیں، جن سے امت فہم دین اور قرآن و سنت کے صحیح اہداف کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اخلاص اور یقین کی تحصیل کے سلسلہ میں رجوع ہو اور امت میں انھیں روشنی کے مینار کی حیثیت حاصل ہو اور جو سعید شخصیتیں اپنی ہستیتوں کو مٹا کر اس طرح کی عظیم شخصیتوں سے تبحر علمی اور رسوخ فی الدین کے لیے رجوع ہوں تو انھیں اپنی ہستی کی فنا کی قیمت پر روح اسلام اور حقیقی فہم اسلام کی دولت عطا کی جائے۔

امت میں اب تک ائمہ، فقہاء اور علمائے ربانی کو جو مقام حاصل ہوا ہے، وہ اللہ کی اس مصلحت بالغہ کی واضح دلیل ہے۔ بیچ جب اپنی ہستی کو مٹا کر زمین میں فنا ہو جاتا ہے تو گل و گلزار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بیچ اگر اپنی فنا بیت سے انکار کر دے تو ظاہر ہے وہ

جیسا عرض کیا گیا کہ علامہ جاوید احمد غامدی کو ایک بڑی غلط فہمی جو لاحق ہے، جس نے انھیں تفردات کی راہ پر لگا کر ان کی ذات کو اپنے لیے اور خود ملت کے لیے بڑی آزمائش بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی نظر میں صحابہ کرام کا تعامل، اجماع امت اور اکابرین ملت وغیرہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور ان سے استفادہ یا اخذ فیض کیے بغیر قرآن سے براہ راست اخذ مسائل کی صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے اور مجتہد بنا جاسکتا ہے۔ ہماری نظر میں یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن نے سبیل المومنین کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور مومنین کے علاوہ دوسری راہ کے اختیار کرنے پر سخت انتباہ دیے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾

[النساء: ۱۱۵]

”ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جس نے رسول کی مخالفت کی اور مومنین کی راہ کے برعکس راہ اختیار کی تو ہم اسے اسی راہ پر لگا دیں گے لیکن پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے۔“

امت میں چودہ سو سال سے قرآن فہمی کے دعویٰ کی بنیاد پر جو فتنے پیدا ہوئے ہیں، وہ خوارج اور معتزلہ کی صورت میں ہوں یا قرامطہ، باطنیہ اور اسماعیلیہ کی صورت میں، ان سارے گروہوں کو

بار آور نتائج برآ مد نہیں ہو سکتے۔

محترم جاوید صاحب سے میرا دوستی کا تعلق قائم رہا ہے، اور ان سے ملاقاتوں کا شرف حاصل رہا ہے، ان ملاقاتوں سے مجھے موصوف کی یہ خصوصیت نظر آئی کہ جب بھی ان کی زبان سے ائمہ فقہ اور مجددین امت کا نام ادا ہوا تو وہ اس طرح ادا ہوا گویا وہ ان کے تلامذہ سے بھی کم حیثیت کے حامل ہیں، اور علم و فضل میں وہ ان کے مقابلہ میں طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مجددین امت اور علمائے ربانی کے استہزاء کا ہی نتیجہ ہے کہ ان سے سییل المومنین اور انعمت علیہم کی دولت عظمیٰ چھن گئی ہے اور المیہ یہ ہے کہ اس محرومی کو محرومی سمجھنے کی بجائے اس پر خوشی و مسرت محسوس کی جا رہی ہے اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف ملک کے ذہین طبقات کو بھی انعمت علیہم کی راہ سے ہٹا کر بدترین فرقہ پرستی (نئے فرقہ) کی راہ پر گامزن کیا جا رہا ہے۔

کاش جاوید صاحب اور ان کے ساتھی فقہائے امت، کبار علمائے ربانی اور ہمارے درمیان تبحر علمی اور سیرت و کردار کے درمیان زمین و آسمان کا جوفرق ہے، اس پر از سر نو غور فرمائیں۔

امام شافعی کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک بار طویل سفر طے کر کے اپنے شاگرد امام احمد بن حنبل کے ہاں مہمان ہوئے، سخت تھکاؤ کی حالت میں پہنچے، عشا کی نماز پڑھ کر سو گئے، صبح کی نماز کے بعد حال احوال ہوا تو معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں امام احمد بن حنبل نے قرآن کی جو آیات پڑھی تھیں، ساری رات ان آیات پر غور و فکر میں بسر ہوا اور ان آیات سے ایک سو تین فقہی مسائل استنباط فرمائے۔

یہ ایک ہی رات کا قصہ نہیں، بلکہ سارے ائمہ فقہ اور کبار اولیائے کرام کی ساری راتیں فہم دین اور اللہ کی عبادت میں بسر ہوتی تھیں۔

امام احمد بن حنبل کی عزیمت کردار اور اللہ کی خاطر نفس کی فنائیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معتصم نے جب

شخصیتوں کے حوالے سے اللہ کی اس حکمت بالغہ کا فہم اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ محدثین، فقہاء اور تزکیہ کے اماموں کے حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تدوین اور قرآن و سنت سے مسائل اخذ کرنے کے لیے ان کی فنائیت، برسوں تک راتوں کی راتیں غور و فکر اور عبادت و ریاضت میں صرف کرنا اور تھکاؤ کا احساس تک نہ ہونا، زہد، توکل، قناعت، دنیا سے بے رغبتی اور تعلق مع اللہ اور علوم اسلامی میں رسوخ کے لیے شب و روز کے مجاہدے وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں، جو انسان کی عمومی صلاحیت و استعداد سے ماوراء ہیں اور محض قدرت کا عطیہ ہیں۔ یہ خدا کے انعام یافتہ لوگ تھے، ایسے انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے ہم روزانہ اپنی نمازوں میں بیسیوں بار دعا کرتے ہیں۔

اس طرح کی انعام یافتہ شخصیتوں کی تکذیب و تردید کی راہ اختیار کر کے جو فہم قرآن حاصل ہوگا، وہ یہی ہوگا کہ امت کا اجتماعی ضمیر اسے کسی صورت قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا چاہے آپ ابلاغ کے سارے ذرائع استعمال کر کے ملت پر اس فہم کو مسلط کرنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔

مسئلہ کی تفہیم کے لیے یہاں ایک اہم نکتہ بیان ہونا ضروری ہے، وہ یہ کہ ایک عامی انسان سے اگر یہ پوچھا جائے کہ دین اسلام کا وہ فہم صحیح ہے جس پر صحابہ کرام، امت کے کروڑوں علمائے ربانی، صلحاء اور اولیائے کرام گامزن رہے ہیں یا قرآن سے ماخوذ علامہ جاوید غامدی صاحب کی فکر، جو تفردات سے بھری ہوئی ہے۔ جس میں جہاد و قتال کی نفی کے ساتھ ساتھ موسیقی اور مجسمہ سازی کے جواز کا فتویٰ شامل ہے تو جو جواب آئے گا، وہی برحق ہوگا۔ اسی جواب سے سییل المومنین اور سییل الغامدی کی صحت و عدم صحت متعین ہو جائے گی۔ ”خلق کی آواز خدا کی آواز ہے“ کے مصداق فیصلہ کے لیے یہی بات کافی ہے۔

انھیں خلق قرآن کے مسئلہ پر کوڑے لگوائے اور ان کا جسمانی نظام زندگی بھر بری طرح مضطرب ہو گیا تو فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں ہے کہ جو لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اللہ قیامت کے دن ان کے قصور معاف فرمائے گا۔ اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے تھے، تم گواہ رہنا، میں نے معتصم کو معاف کر دیا۔ کیا اس سے بڑھ کر صبر، تحمل اور کردار کی عزیمت ہو سکتی ہے، سارے علمائے ربانی اسی طرح کی سیرت و کردار سے ہی بہرہ ور رہے۔

ادھر اس سلسلہ میں ہماری جو حالت ہے، وہ از حد قابل رحم ہے۔ مثال دینا اگرچہ مناسب نہیں، لیکن تفہیم کی خاطر مثال کے بغیر رہا بھی نہیں جاسکتا۔ علامہ جاوید صاحب کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب (جن کی تربیت سے انھیں سلف صالحین سے بعد کی راہ نصیب ہوئی) کے بارے میں روایت ہے کہ موصوف کی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے سخت ناراضی ہوئی، اس پر مولانا کی صحت متاثر ہونے لگی اور تدریس کا عمل متاثر ہونے لگا۔ ان کے شاگرد رشید خالد مسعود صاحب نے جب انھیں اطمینان دلایا کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پر ”اسرار نامہ“ لکھ کر ان کے کردار کو بے نقاب کریں گے، تب موصوف کی طبیعت بحال ہوئی۔ اسی طرح موصوف کے مولانا مودودی سے اختلافات ہوئے تو ان اختلافات کے اظہار کے لیے تحریر میں جو انداز اختیار فرمایا، وہ کم از کم کسی عالم کے شان کے منافی ہی نظر آتا ہے۔

ائمہ فقہ اور کبار علمائے ربانی کو امت نے جو حیثیت دی ہے، اس حیثیت کا انکار کرنے کا جو نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے، وہ یہی ہے کہ نور نبوت کے جواجزاء رسول اللہ ﷺ سے صحبت کے ذریعہ صحابہ کرام نے حاصل فرمائے اور صحابہ اور تابعین کی صحبت سے علمائے ربانی نے حاصل کیے اور اخذ نور کا یہ سلسلہ امت میں تسلسل سے آ رہا ہے، اس نور سے محرومی رہے گی۔ دوم یہ کہ امت کے مستقل دھارے سے رشتہ کٹ کر جماعتی اور گروہی دلدل کی ابتلا و آزمائش کی سزا نصیب

ہوگی اور اپنے نئے فکر کے حامل افراد پر مشتمل گروہ خود نئی فرقہ پرستی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

عقل جس پر علامہ جاوید صاحب فدا ہو رہے ہیں اور عقل کی وجہ سے وہ صحابہ کے تعامل اور علمائے ربانی کے اجماع کے انکار کی راہ پر گامزن ہیں، وہ عقل (سلامتی دل کے اثرات کے بغیر) کیا ہے؟ وہ تو عادتوں کا ہی محتاج اور غلام ہے۔ ماحول اور تربیت کے اثرات سے جس قسم کی عادتیں مستحکم ہوں گی، اور جس قسم کی سوچ کی راہیں متعین ہوں گی، عقل اپنی عادتوں اور سوچ کی انہی راہوں ہی کا تو نام ہے، اگر میں نے اجماع امت کے مخالف ماحول میں تربیت حاصل کر کے ان کے خلاف خاص قسم کا ذہن پہلے سے بنالیا ہے، تو اب عقل بیچارہ تو ایک خاص قسم کے فکر کا ریغمال ہو گیا، اس طرح کی عقل، فہم قرآن کی صلاحیت سے کس طرح بہرہ ور ہوگی، جب تک اسے تعلیم و تربیت اور بے جا صحبت کے اثرات سے پاک نہ کیا جائے اور تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات ایسے ہوتے ہیں، جن کا ازالہ سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تعلیم و تربیت کے خاص ماحول سے جب عقل میں فکر کی خاص راہیں متعین ہو گئیں تو اب عقل کے لیے یہ از حد دشوار ہے کہ وہ خاص شاہراہوں سے ہٹ کر قرآن سے اس کا صحیح مطلب و مفہوم اخذ کر سکے، اس طرح عقل، حقیقی فہم قرآن کے سلسلہ میں خود پردہ بن جاتی ہے۔ جب تک دعویٰ سے دستبردار ہو کر دل کے زیر اثر عقل کی تہذیب نہ ہو، یہ صورت حال قائم رہتی ہے۔ جدید علم نفسیات کا یہ کہنا ہے کہ انسان یہ کہتا ہے کہ میری عقل یہ کہتی ہے۔ یہ دراصل عقل نہیں ہوتی، بلکہ نفس کی تاویلی صورتیں ہوتی ہیں، جو عقل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں فلسفہ نفسیات پر لکھی گئی مولانا عبدالمجید دریا آبادی کی ایک کتاب جو انھوں نے الحادی فکر سے متاثر ہونے کے دور میں لکھی تھی، اس کا ایک اقتباس دینا ضروری ہے۔ لکھتے ہیں:

کے بعد اس میں اضافہ ہی ہوا ہے، ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ میرے لیے تو یہی بہت خوشی کی بات ہے کہ برسوں کے بعد آپ نے خط لکھا۔ کیا بعید ہے کہ اب ملاقات کی سعادت بھی کسی وقت حاصل ہو جائے، والسلام۔ جاوید

جہاں تک جاوید صاحب کے اس موقف کا تعلق ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص کو بنیاد بنا کر ہر دور کے مسائل میں اجتہاد کے ذریعہ راہوں کا تعین کرنا، یہ نہ صرف ضروری ہے، بلکہ اسلام جیسی دائمی شریعت کی علمبردار شریعت کا اقتضا یہی ہے کہ ایسا ہو۔ تو اگرچہ اجتماعی طور پر اجتہاد کا راستہ بند ہوا ہے، لیکن علمائے ربانی کی طرف سے ہر دور میں قرآن و سنت کو بنیاد بنا کر اور ائمہ فقہاء کی تصریحات سے استفادہ کرتے ہوئے اجتہاد ہوتا رہا ہے۔

اب بھی بعض باصلاحیت علمائے کرام نئے مسائل میں اجتہاد کا

”عقل، عقل جس پر آج اتنا ناز کیا جا رہا ہے، خود وہ کیا ہے، عادت ہی کی تو ایک صورت ہے۔ جو عادت چاہیے ڈال لیجیے، بس وہی رفتہ رفتہ عقل و فہم بن جائے گی۔“ جب ہی تو ہمارے حکیم شاعر حالی فرما گئے ہیں:

دیکھ عادت کا تسلط، میں نے عادت سے کہا
گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے
ہنس کے عادت نے کہا عقل ہے مجھ سے الگ
میں ہی بن جاتی ہوں نادان رفتہ رفتہ عقل و رائے“
جاوید صاحب سے مجھے محبت رہی ہے، لیکن ان کے بعض مضامین کے مطالعہ اور ٹی وی پر ان کی تقاریر سے ان کی فکر کے جو پہلو اجاگر ہوئے، ان سے ان کے ساتھ ہمدردی میں غیر معمولی اضافہ ہوا، یہ مضمون دراصل اسی جذبہ ہمدردی میں ہی لکھا گیا ہے۔ جب اپنے ہی جسم کے کسی حصہ میں فساد برپا ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر کے نشتر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور ڈاکٹر کا یہ نشتر بظاہر دشمنی نظر آتی ہے، لیکن باطن وہ دوستی و خیر خواہی ہی ہوتی ہے، جاوید صاحب کے نام میرے لکھے ہوئے خطوط اور جاوید صاحب کی طرف سے جوابی خطوط اس بات کے شاہد ہیں کہ طرفین میں جذبات محبت موجود رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں جاوید صاحب کا ایک خط نقل کرنا شاید افادیت کا حامل نظر آئے۔ لکھتے ہیں:

۱۶ نومبر ۱۹۹۸ء

محترمی و مکرمی محمد موسیٰ بھٹو صاحب

آپ کو یہ گمان کیسے ہوا کہ آپ کی تنقید سے آپ کے ساتھ میری محبت میں کمی آجائے گی؟ آپ نے جو کچھ لکھا ہے، حمایت حق کے جذبہ سے لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تصوف پر میری تنقید کو بھی آپ اسی جذبے پر محمول کرتے ہیں۔ خیر خواہانہ تنقید سے بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے۔ میرے دل پر آپ کے خلوص، للہیت اور حق کے ساتھ آپ کی محبت کی بڑی قدر ہے۔ باور کیجیے، اس تنقید کو پڑھنے



کے ذریعہ بنیادی سرمایہ کو محفوظ کرنے میں توانائی صرف کرنے کی بجائے بنیادی سرمایہ کو ہی سرے سے خطرات میں ڈالا جائے۔ امید ہے کہ جاوید صاحب ان نکات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔



دعائے صحت کی درخواست

مولانا محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی کے والد محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، خطیب مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث، کوٹ رادھا کشن ضلع قصور گزشتہ دنوں موٹر سائیکل حادثے میں شدید زخمی ہو گئے۔ ان کی ایک ٹانگ اور بازو کی ہڈی فریکچر ہو گئی ہے۔ سر اور جسم میں بھی چوٹیں آئی ہیں۔ جزل ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ خصوصی اوقات میں موصوف کی صحت کا ملہ و عاجلہ کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً [محمد سلیم چنیوٹی]

275261 فون: 51538

اعلیٰ معیار کی ضمانت

اعلیٰ کوالٹی پائیداری میں بے مثال
زیانت اور زیبائش میں لا جواب

سٹیژن

پکچھے موٹریں
اور
واشنگ مشینیں

تیار کردہ: سٹیژن الیکٹریکل انڈسٹریز رجسٹرڈ سی بی روڈ، گوجرانوالہ

فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ جمود زیادہ ہے۔ فقہاء کی رائے سے ہٹ کر نصوص پر غور و فکر کے ذریعہ نئی راہوں کی تلاش کا عمل سست ہے۔ لیکن اجتہاد کی راہ میں ایک دوسری اہم رکاوٹ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اجتہاد کے لیے جس تجربہ علمی، رسوخ فی العلم، بصیرت و بصارت، قلبی روشنی، قرآن و سنت پر عبور اور فقہائے امت کے سارے ذخیرہ پر گہری نظر اور اعلیٰ درجہ کی تقویٰ اور امت کے مزاج سے واقفیت مطلوب ہے، زوال پذیر دور میں اس کا سخت فقدان ہے۔ اس کا نتیجہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اجتہاد کے نام پر پچھلے سوڈیٹھ سو سال سے جو تشریحات اسلام اور تعبیرات دین اور مسائل کی جو تفہیم سامنے آرہی ہے، اس میں جدیدیت کے پیدا کردہ تعلیمی و تربیتی اثرات بری طرح کارفرما ہیں اور اس سے سب سے بڑا خطرہ جو پیدا ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اجتہاد کے نام پر قرآن و سنت کی صحیح تعبیر کا جو تسلسل امت میں چودہ سو سال سے قائم ہے، وہ منقطع ہو رہا ہے۔

زوال کے دور میں تو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بنیادی سرمایہ کا اس طرح تحفظ کیا جائے کہ یہ سرمایہ کسی قیمت ضائع نہ ہونے پائے، اگر حالات ایسے ہیں کہ اس سرمایہ کے کاروبار میں استعمال سے اس کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے تو یہ خطرہ مول لے کر بنیادی سرمایہ کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔

اس وقت دانشوران ملت کے ذہنوں پر جدیدیت کا سودا سمایا ہوا ہے۔ عورت کی آزادی اور عملی زندگی میں اس کی بھرپور شرکت سے لے کر سودی کاروبار کی بعض عام شکلوں تک کو وہ اجتہاد کے ذریعہ سند جواز فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

ترقی پسندی پر مشتمل نئے اسلام کی تیاری و تشکیل کا کام اس وقت عالمگیریت کی سرپرستی میں تیز رفتاری سے ہو رہا ہے اور اس نئے اسلام کو ابلاغی ذرائع سے متعارف کرانے کا بھی بڑے پیمانہ پر انتظام ہو رہا ہے۔ ان حالات میں کیا حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ سلف و خلف کی ساری علمی تحقیقات سے بے نیاز ہو کر اجتہاد

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

عبد الوارث ساجد

کیا۔ مدرسہ فیض عام قصبہ مبارک پور سے پینتیس کلومیٹر دور سونا تھ بھجن میں واقع ہے۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری مئی ۱۹۵۶ء میں وہاں داخل ہو گئے جہاں انھوں نے تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے متعلق تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے جنوری ۱۹۶۱ء تک پانچ سال میں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ مدرسہ فیض عام میں تعلیم کے دوران ہی انھوں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات فرسٹ ڈویژن میں پاس کیے۔

مدرسہ فیض عام سے فراغت کے بعد وہ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ اپنی تدریسی زندگی کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

۱۹۶۱ء میں مدرسہ فیض عام سے فارغ ہو کر میں نے ضلع الہ آباد پھر شہر ناگپور میں درس و تدریس اور تقریر و خطابت کا شغل اختیار کیا۔ دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرسہ فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعو کر لیا لیکن میں نے وہاں بمشکل دو سال گزارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ اگلا سال جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کی نذر ہوا اور فروری ۱۹۶۶ء سے مدرسہ دار الحدیث منوکی دعوت پر وہاں مدرس ہو گیا، تین سال یہاں گزارے اور تدریس کے علاوہ بحیثیت نائب صدر مدرس تعلیمی امور داخلہ انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔

آخری ایام میں مدرسہ کی انتظامیہ کے درمیان اتنے سخت

صدمہ تو ہر موت کی خبر پر ہوتا ہے لیکن کچھ خبریں بہت زیادہ صدمے والی ہوتی ہیں، انسان دنیا میں مرنے کے لیے ہی آتا ہے تاہم کچھ انسانوں کی موت قوم و ملت اور تحریکوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوتی ہے۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، مصنف، شارح، مناظر اور داعی انسان تھے۔ انھوں نے تمام زندگی شجر اسلام کی آبیاری کے لیے وقف کیے رکھی۔ وہ ۱۹۴۲ء میں ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مبارکپور کی بستی حسین آباد میں پیدا ہوئے۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، ہی عظیم انسانوں میں سے تھے جن کی موت ہزاروں انسانوں کو صدمے سے دوچار کر گئی، بلاشبہ ان کی موت سے وارثانِ انبیاء میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام عبداللہ تھا، ان کا گھرانہ علمی گھرانہ تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی انھیں قرآن کریم کی تعلیم دی گئی۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ انھوں نے اپنے دادا محمد اکبر اور کچھ حصہ اپنے چچا سے پڑھا۔ ۱۹۴۸ء میں جب ان کی عمر چھ سال ہوئی تو انھیں قصبہ مبارکپور میں قائم مدرسہ دارالتعلیم میں داخل کروا دیا گیا جہاں انھوں نے پرائمری اور مڈل تک کی تعلیم حاصل کی۔ مبارکپور میں قائم مدرسہ احیاء العلوم میں انھوں نے عربی زبان کی بنیادی کتب پڑھیں۔ جامعہ احیاء العلوم میں دو سال کی تعلیم کے بعد جب انھوں نے مدرسہ فیض عام کی شہرت سنی تو وہاں جانے کا ارادہ

اختلافات برپا ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا مدرسہ بند ہو جائے گا۔ ان اختلافات سے بدل ہو کر میں نے عین عید کے روز استعفیٰ دے دیا اور چند دن بعد مدرسہ دارالحدیث سے مستعفی ہو کر مدرسہ فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جا مامور ہوا جو مونا تھ بھنجن سے کوئی سات سو کلومیٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔

سیونی میں میری تقرری جنوری ۱۹۶۹ء میں ہوئی، میں نے وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی و خارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمعہ کا خطبہ دینا اور گرد و پیش کے دیہاتوں میں جا جا کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا بھی اپنے معمولات میں شامل کیا۔

میں نے سیونی میں چار سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے پھر ۱۹۷۲ء کے اخیر میں سالانہ تعطیل پر وطن واپس آیا تو مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور کے اراکین نے یہاں کے تعلیمی انتظامات سنبھالنے اور تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے حد درجہ اصرار کیا اور مجھے یہ پیش کش قبول کرنی پڑی۔ اب میں نے اپنی اولین مادر علمی کے اندر نئی ذمہ داریاں سنبھالیں، دو سال بعد جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ نے مدرسہ دارالتعلیم کے سرپرست سے گفتگو کی کہ مجھے جامعہ سلفیہ منتقل کر دیں، جامعہ کی خیر خواہی اور دیرینہ روابط کے پیش نظر بات طے ہو گئی اور میں اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ آ گیا۔

[الرحیق المختوم]

مولانا صفی الرحمن جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس کے دوران وہاں سے شائع ہونے والے ماہنامہ محدث میگزین کے ایڈیٹر بھی رہے۔

۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۸ء تک وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں خدمات سر انجام دیتے رہے۔ انھوں نے ریاض میں مکتبہ دارالسلام میں بطور محقق بھی کام کیا۔ ان کی مشہور کتب میں شرح صحیح مسلم، تلخیص تفسیر ابن کثیر، شرح بلوغ المرام شامل ہیں۔ تاہم ان کی کتاب الرحیق المختوم سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور ان کی شہرت کا سبب

بنی۔ الرحیق المختوم دنیا میں سیرۃ النبی ﷺ پر ایسی کتاب بن کر ابھری کہ دنیا بھر میں ہر شعبے کے آدمی نے اسے پسند کیا، بالخصوص مجاہدین کے حلقوں میں زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اس کتاب کی وجہ سے وہ کشمیر، بونیا، فلسطین، عراق اور افغانستان کے مجاہدین میں قابل احترام شخصیت بن کر ابھرے۔ خود مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ بھی مجاہدین سے گہری محبت رکھتے تھے اور وہ مجاہدین کے حلقوں میں بہت معروف تھے۔ ایسے ہی ایک واقعہ خود مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے ایک انٹرویو میں بتایا:

چھ جنوری ۱۹۹۹ء کی بات ہے، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری مدینہ میں تھے کہ ان سے ایک آدمی نے فون پر بات کی:

”اشیخ میں آپ کا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ گزارش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دونوں کے درمیان مسجد نبوی میں وقت طے ہو گیا۔ مقررہ جگہ پر مولانا پہنچے تو نوجوان (ونسان) مولانا سے لپٹ گیا انھیں گلے لگایا اور عقیدت و احترام بجالایا۔ اشیخ کہتے ہیں، میں نے پوچھا، آپ کون؟ وہ جواب دینے کی بجائے بولا ”آپ اشیخ صفی الرحمن مبارک پوری ہیں“ میں نے کہا، آپ مجھے کیسے پہچانتے ہیں، میں جانتا تھا کہ یہ اس نوجوان سے میری پہلی ملاقات ہے، سوال بھی میں نے اسی لیے کیا تھا تو نوجوان نے جس عقیدت اور احترام کا مظاہرہ کیا تھا اس کی یہی محبت مجھے دریافت پر مجبور کر رہی تھی، میرے سوال پر وہ بولا:

”میں سینکڑوں آدمیوں میں سے آپ کو آسانی سے پہچان سکتا ہوں۔“

”میں نے کہا، کیا آپ مجھے پہلے سے جانتے ہیں؟“ وہ بولا آپ سے میری بالمشافہ پہلی ملاقات ہے۔ تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے تھے آپ مجھے سینکڑوں آدمیوں سے پہچان سکتے ہیں۔

وہ بولا میں آپ کی تصنیفات سے آگاہ ہوں اور میں آپ کو

دیکھتے ہی جان گیا کہ ایسا شخص ہی ایسا کام کر سکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ”میں نے مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک جامع الصفات شخصیت پایا، وہ جمعیت اہل حدیث ہندوستان کے امیر تھے، بہت سی کتب کے مصنف تھے اور دعوتی سرگرمیوں میں بھی مگن تھے۔ میں نے ان کی تازہ تصنیف کے متعلق پوچھا تو وہ بولے: ”عنقریب شرح المسلم آرہی ہے ایسے ہی جیسے پہلے شرح بلوغ المرام منصف شہود پر آچکی ہے۔“

میں الشیخ کی کتاب ”الرحیق المختوم“ سے متاثر تھا اسی پر بات کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی یہ کتاب کتنی تعداد میں شائع ہو چکی ہے وہ عاجزی سے بولے: الرحیق المختوم اٹھارہ زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے، تبھی مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک روز میں مدینہ میں تھا کہ ایک نوجوان مجھے ملا وہ بوسنیا سے آیا تھا، اس نے کہا ہم سرب درندوں سے جہاد میں مصروف تھے، ہم جبل العالیٰ کے علاقے میں تھے کہ سرب فوج سے زبردست معرکہ بپا ہو گیا، جو بدر البوسنہ کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کی، ہم نے نہ صرف علاقے پر قبضہ کیا بلکہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سرب فوجی قید بھی کر لیے۔ اتنی تعداد میں فوجی ہمارے لیے پریشانی بھی تھے، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ ان کو ذبح کر دیا جائے، مجاہدین نے الشیخ صالح العثیمین سے فوجی طلب کیا، ہم نے انھیں ان درندوں کے ظلم و ستم بھی بتائے، الشیخ نے ان کا ذبح کرنا جائز قرار دیا ہے۔ یوں ہم نے ذبح کرنے کا پروگرام بنایا، مقررہ روز جب وہ ذبح کے لیے جانے لگے تو یہ خبر سن کر ایک بوسنی عورت مجاہدین کے پاس آ گئی، وہ امیر سے کہنے لگی مجھے خبر ہوئی ہے کہ آپ سرب درندوں کو ذبح کرنے والے ہیں۔ میں ان درندوں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ انھیں سرب قیدیوں کے درمیان لایا گیا تو وہ سرب فوجیوں کو غور سے دیکھنے لگی گویا کسی کی تلاش میں ہو، بالآخر ایک فوجی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی۔

عورت نے حقارت سے اسے دیکھا پھر امیر المجاہدین کو بتانے لگی: یہ درندہ میرے بیٹے کا قاتل ہے، اس ظالم نے میرے بیٹے کو گرفتار کر کے میرے سامنے تشدد کا نشانہ بنایا پھر مجھے کہا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں، ایک ماں ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ اس نے مجھ پر تشدد کیا اور مجھے مجبور کیا جب میں کسی طرح بھی اس کام کے لیے تیار نہ ہوئی تو اس ظالم نے میری نظروں کے سامنے میرے بیٹے کا سرتن سے جدا کر دیا، میرے سامنے میرے بیٹے کی لاش تڑپ رہی تھی، اس کا خون زمین کو سرخ کر رہا تھا، یہ ظالم اس کا خون اٹھا کر کھنے لگا اسے پیو، میں نے انکار کیا تب اس نے مجھ پر تشدد کیا اور مجھے گھر عصمت سے محروم کر دیا تب اس عورت نے سرب درندے کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ وہ نوجوان بولا انہی دنوں آپ کی کتاب ”الرحیق المختوم“ ملی۔ یہ کتاب مجاہدین کے لیے رہنما ثابت ہوئی کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جہادی واقعات نے بوسنی مجاہدین کو یاد دلایا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح جہاد کرتے تھے۔ یہ جہاد کے میدان میں ہمارے لیے استاد ہو گئی۔ گویا ”الرحیق المختوم“ بوسنی مجاہدین کے لیے زوردار رہنما بن گئی۔ بوسنی مجاہدین نے مقامی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت عام کی۔ تب کتاب وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مدارس میں پڑھائی جانے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے قائم کردہ ریڈیو اسٹیشن پر پوری کتاب نشر کی گئی۔

یوں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا صفی الرحمن کی مجاہدین کے دلوں میں کتنی محبت تھی۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ان تھک محنت کی، تدریس اور تالیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ انھوں نے مناظرے بھی کیے، ان کی انہی دعوتی سرگرمیوں کی بنیاد پر بہت سے لوگ نہ صرف حلقہ اسلام میں داخل ہوئے بلکہ بہت سے ایسے

مسلمان جو بدعات کے شکار تھے وہ شرک چھوڑ کر عقیدہ توحید سے سرفراز ہوئے۔ ان کا ایک مناظرہ بہت مشہور ہوا جو ۱۹۷۹ء میں بنارس کے قریب ایک چھوٹے شہر بجزیہ میں ہوا۔ یہ مناظرہ وسیلہ کے موضوع پر تھا، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ کے مقابلے میں عبدالمصطفیٰ نامی ایک عالم تھا۔ دونوں طرف سے بڑے بڑے علماء شریک ہوئے، ہزاروں آدمی جمع تھے، مناظرہ شروع ہوا تو مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے انھیں ایسے دلائل دیئے کہ مخالف مناظر بھری مجلس چھوڑ کر بھاگ گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ۹ خاندانوں نے اور ۴۹ آدمیوں نے شرک چھوڑ کر توحید کی دولت کو پالیا۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ انتہائی تواضع اختیار کرنے والے آدمی تھے، نرمی پسند تھے، بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے، نہ تکبر کرتے اور نہ اپنی مدح سرائی پسند کرتے، اپنے دشمنوں سے بھی شفقت اور نرمی سے پیش آتے۔

۱۴۲۰ ہجری کے آغاز کی بات ہے وہ لیکچر دے رہے تھے ان کے سامنے سینکڑوں سامعین بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے پوچھا:

”الشیخ! کیا نماز وتر نماز مغرب کی طرح ادا کی جاسکتی ہے؟“

صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے نرمی سے جواب دیا:

”وتر اور نماز مغرب میں فرق کرنا چاہیے، فرق یہ ہے کہ نماز مغرب میں دو رکعت کے بعد تشهد بیٹھتے ہیں جب کہ وتر میں تین رکعت کے بعد آخری تشهد ہوتا ہے۔“

مولانا ابھی اپنی بات مکمل نہ کر پائے تھے کہ دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور قطع کلامی کرتے ہوئے بولا:

”الشیخ! آپ غلط کہتے ہیں جیسے آپ کہتے ہیں ایسے نہیں ہے بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث ہے کہ وتر بھی نماز مغرب کی طرح ادا کیا جاسکتا ہے۔“

مولانا کچھ دیر خاموش رہے پھر نرمی سے بولے:

جو میں جانتا ہوں وہ کہہ چکا ہوں جو حدیث آپ بتاتے ہیں وہ میری نظر سے نہ گزری ہے اور نہ میں نے سنی ہے، آپ بہتر جانتے ہوں گے۔“

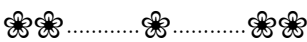
لوگ جانتے تھے آدمی غلطی پر ہے اور اس نے نہ صرف مجلس کے آداب کی خلاف ورزی کی بلکہ الشیخ سے گفتگو کا سلیقہ بھی درست نہ تھا اور مولانا جانتے تھے وہ غلطی پر ہے۔ پھر بھی حضرت نے شفقت اور نرمی کا رویہ اپنایا اور اسے یہی کہا کہ میں نہیں جانتا۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے قادیانیت کے فتنے کی سرکوبی کے لیے بھی کئی کارنامے سرانجام دیئے، انھوں نے اس موضوع پر شہرہ آفاق کتاب ”قادیانیت اپنے آئینے میں“ لکھی۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئے تھے، اپنی وفات سے چار ماہ قبل بیماری ایسی بڑھی کہ وہ بستر پر جا لگے، بیماری آہستہ آہستہ بڑھتی گئی، وہ لوگوں کو پہچان نہ پاتے تھے لیکن اللہ کی رحمت دیکھیے کہ اگر ایسی حالت میں کوئی ان سے مسئلہ پوچھتا تو اسے آیت حدیث کے ساتھ جواب دیتے اور آیت نمبر بھی صحیح صحیح بتاتے۔ دس ذوالقعدہ ۱۴۲۷ ہجری کو جمعہ المبارک کی نماز کے بعد ہندوستانی وقت کے مطابق دو بجے مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ ۱۹۷۰ عیسوی سے ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے امیر رہے۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان کے بیٹے محمد طارق جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آخری سال کے طالب علم ہیں۔ دوسرے بیٹے فیض الرحمن جدہ میں ملازم ہیں جب کہ دوسرے دونوں بیٹے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ہیں۔



نظریے کا فرق

محمد سلیم چنیوٹی

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، اس کے قیام کے وقت ایک نظریے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ لگایا گیا تھا کہ یہاں ایک اللہ کی حکمرانی ہوگی۔ اس کے رسول ﷺ کا کلمہ یہاں بلند ہوگا اور اس کے قانون (اسلام) کا نفاذ کیا جائے گا۔

پاکستان کو ایک اسلامی و جمہوری ملک بھی کہا جاتا ہے۔ جمہور کا مطلب ہے کہ یہاں کی عوامی اکثریت جو چاہے گی وہ بات ہی یہاں مانی جائے گی۔ وہی بات ہی یہاں کا قانون ہوگی یعنی جمہوری ملک قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ یہ مملکت ایک اسلامی مملکت ہوگی اور یہاں ایک اسلامی و جمہوری معاشرہ تشکیل دیا جائے گا۔

قیام پاکستان سے قبل جب یہاں انگریز حکمران تھا۔ اس کی مملکت اتنی وسیع تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس انگریزی استعمار کے خلاف جب برصغیر کے عوام و خواص نے انگریزی کی تو ایک تو طویل جدوجہد آزادی کا آغاز ہو گیا جس کے نتیجے میں بالآخر انگریزی استعمار کو برصغیر سے جانا پڑا لیکن جاتے جاتے اس خطے میں ایسے گھمبیر مسائل چھوڑ گیا کہ آج تک برصغیر کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔

ہم اہل پاکستان کی حالت یہ ہے کہ بظاہر تو ہم آزاد ہیں۔ سرزمین ہماری ہے، سکہ ہمارا چلتا ہے، قانون ہم خود بناتے اور فیصلے بھی ہم خود ہی کرتے ہیں۔ مگر بغور دیکھیں تو یہاں کے حکمران اسی (انگریز) کی باقیات ہیں۔ طاغوت کی بھرپور کوشش رہی ہے کہ

یہاں اسی کے نمائندہ حکمران مسلط رہیں۔ ان حکمرانوں نے وہی کارنامہ انجام دینا ہوتا ہے جو ان کی مرضی و منشاء کے مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز کے حکمرانوں کو طاغوت کی بات کا انکار بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اور اب تو ہمارے ”کرم“ سے ان کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بصورتِ انکار اور نافرمانی ان کو ”سبق“ سکھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ استعمار اب تک کئی حکم رانوں کو سبق سکھا چکا ہے۔ لیاقت علی خان نے جب بھارت کو مکہ دکھایا تو پاکستان کے سب سے پہلے وزیر اعظم کو ایک بھرے جلسے میں گولی مروادی تھی۔ پاکستان کے عبقری وزیر اعظم جناب بھٹو کو اس نے ایٹم بم کا پروگرام شروع کرنے پر نشانِ عبرت بنا دیا۔ حالاں کہ بھٹو کی شہرت ایک سیکولر حکمران کی تھی لیکن جب اس نے سیکولر ہوتے ہوئے اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت نہ ماننے پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا۔ سیکولر ہوتے ہوئے انھوں نے اتوار کی بجائے احتراماً جمعۃ المبارک کی چھٹی منظور کی تھی۔ سیکولر ہوتے ہوئے بھی جناب بھٹو نے شراب پر پابندی لگا دی تھی لیکن جب پاکستان بلکہ مسلم امہ کی بیداری کو انھوں نے مقصد بنالیا تو انھوں نے دنیائے اسلام کے سربراہان کی اسلامی سربراہی کانفرنس کی داغ بیل ڈال دی اور پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد کرادی۔ جس کے بعد جناب بھٹو کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا جو ایک مشہور مقدمہ قتل میں ان کی سزائے موت پر منتج ہوا۔

جناب بھٹو کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق آئے۔ ان کے دور میں روسی ریچھ نے افغان دھرتی پر دھاوا بول دیا جس کو ضیاء الحق نے جرأت ایمانی سے لاکار۔ روسی ریچھ کو بدکتا دیکھ کر امریکا نے بھی دھڑا دھڑا اسلحہ و جنگی سامان پاکستان پہنچانا شروع کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے بڑے جذبے اور دانائی سے افغانستان کے مسلمان بھائیوں کی مدد کی اور شانہ بشانہ انھیں اپنی حمایت و تائید سے نوازتے رہے۔ بالآخر روس کو شکست ہو گئی اور وہ اپنی قوت برقرار نہ رکھ سکا بلکہ مختلف ریاستوں میں بٹ کر رہ گیا۔

لیکن جب جذبہ جہاد ایک بڑی طاقت بن کر سامنے آیا اور امریکا نے دیکھا کہ یہ جہاد ایک بڑی طاقت ہے۔ جس بے جگری سے اس نے مسلمان نوجوانوں کو لڑتے دیکھا تو وہ جان گیا کہ اگر یہ جذبہ ان کے اندر راسخ ہوتا رہا تو طاغوتی دنیا کے لیے ایک خطرناک بات ہوگی۔

جنرل ضیاء الحق نے روسی شکست کے بعد جب ایک اسلامی بلاک کے لیے کوششیں شروع کیں تو طاغوت کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ طاغوت نے امہ کے اس مسلمان حکمران کو اس کی مکمل ٹیم کے ساتھ نشانہ ستم بنانے کے لیے اپنا ایک سفیر تک قربان کر دیا۔

جنرل ضیاء کی ناگہانی موت کے بعد اقتدار میں ”آبنیاں جانیاں“ لگی رہیں۔ کبھی جناب بھٹو کی نور نظر وزیراعظم کبھی میاں محمد نواز شریف دودومرتبہ وزیراعظم بنے اور آج کل بے نظیر خود ساختہ جلا وطنی کی زندگی گزار رہی ہیں اور میاں محمد نواز شریف کو ایٹمی دھماکہ کرنے کی پاداش میں جلاوطن کیا ہوا ہے۔

جنرل محمد ایوب خان کے بعد نواز شریف کی حکومت میں معیشت کا رخ بہتری کی طرف ہو رہا تھا۔ پاکستان انڈسٹری اپنے پاؤں پہ کھڑی ہونے لگی تھی کہ میاں صاحب کو ایک عالمی سازش کے تحت اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ جب کہ وہ ایک منتخب وزیراعظم تھے جن کو ایک ہی جھٹکے میں اقتدار سے الگ کر کے چیف آف آرمی سٹاف جناب پرویز مشرف چیف ایگزیکٹو آف پاکستان بن گئے۔

اس وقت انھی کی حکومت ہے۔ یہ دور گزشتہ حکومتوں کے دور سے ایک مختلف ہے۔ اقتدار سنبھالتے ہی جناب جنرل مشرف نے اپنا آئیڈیل کمال اتاترک کو قرار دیا تھا۔ یاد رہے کہ اتاترک ایک مذہب بیزار شخص تھا جس نے مذہبی رہنماؤں کو رگید اور مذہبی شعائر کو غیر اہم جانا اور ترکی میں غیر اسلامی قوانین متعارف کروانے کی میں مادر پدر آزاد ماحول کو رائج کر دیا۔

یہ حکومت بھی روشن خیالی کا شروع دن سے راگ الاپتی آرہی ہے۔ یہ روشن خیالی کیا ہے؟ اس پر سندھ کے معروف دانش ور جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے بڑا خوب صورت نقشہ کھینچا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”موجودہ تہذیب کی بنیاد جذبہ حیوانیت کو بیدار کرنے، تقاضائے حیوانیت کو بڑھاتے چلے جانے اور اس کے فکر کو فروغ دینے پر ہے اور اس فکر کو اس طرح غالب کرنا ہے کہ شب و روز کی ساری سرگرمیوں کا مرکز ہی ان خواہشات کی تکمیل ہو۔“

جناب بھٹو مزید رقم طراز ہیں:

”تہذیب جدید کے پاس انسانیت کے لیے ایک ہی پیام ہے، وہ یہ کہ اپنے تعلیمی و تربیتی اداروں، اپنے تجارتی اور سیاسی مراکز کو مادیت پرستی کا صنم خانہ بناؤ، جہاں ہر وقت مادیت کے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہو۔ جب ان بتوں کی سجدہ ریزی سے تھک جاؤ تو لذت کے لیے موسیقی کے سامان لہو و لعب اور بے لاگ جنسی مناظر و مظاہر سے تسکین حاصل کرو۔“ [ماہنامہ بیداری، حیدرآباد، جنوری ۲۰۰۷ء]

گزشتہ دنوں پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب پرویز الہی صاحب نے اعلان فرمایا تھا کہ ”بسنٹ“ منائی جائے گی جسے اگر یوں کہا جائے کہ عوامی گردنیں حکومتی نگرانی میں کاٹی جائیں گی تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اس اعلان پر عدالت عالیہ نے گرفت فرمائی اور ”بسنٹ“ جیسے خونی کھیل کو بند کرنے کی خوش خبری سنائی۔ اس پرویز الہی نے کہا کہ ”بسنٹ“ نہ سہی ہم یہی کھیل ایک دوسرے نام سے شروع کر لیتے

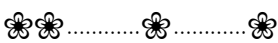
ہیں یعنی جشن بہاراں منالیتے ہیں۔

انہوں نے ستم کا رویہ اپنایا جائے گا۔ طاغوت شاید اسی طرح خوش ہو جائے لیکن قرآن حکیم نے طاغوت کی مسلم دشمنی کا جو علاج تجویز فرمایا ہے اس پر ہم یہی سوچ سکتے ہیں کہ وہی برحق ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی ناجحی دل کی علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی اس وقت ضرورت ہے کہ اسلام کی نام لیواؤں ہی جماعتیں اور گروہ مفادات کی سیاست میں حصہ دار نہ بنیں۔ کم از کم خوف خدا کو تو ملحوظ رکھیں اور اپنے اسلامی کاز کے لیے اٹھیں اور دین اسلام پر کاربند لوگوں کے دل کی آواز کو سنیں اور ان کی بہترین رہنمائی کا سامان بہم پہنچائیں کہ میدان عرفات سے بھی یہی آواز حق بلند ہو چکا ہے کہ اے مسلمان! اپنی گم شدہ طاقت کو ڈھونڈ! اپنی تعلیم کو پھر سے یاد کر کہ عالم کفر کے مقابلے میں تو کس غار میں گم بیٹھا ہوا ہے۔ اے مسلمان اٹھ اور ذرا اقوام عالم کو بتا کہ روشن خیالی اصل میں کیا ہے؟ اسلامی روشن خیالی اور طاغوتی روش خیالی میں کتنا فرق ہے؟

اسلامی روشن خیالی کا سبق یاد دلادے کہ حجاب عین روشن خیالی ہے، حدود کے قوانین جو قرآن نے بیان فرمائے، تعدد ازواج کا حکم، قانون قصاص، یہود و نصاریٰ کی دوستی سے ممانعت، موسیقی سے اور آلات لہو و لعب سے بچاؤ یہ سب اسلامی روشنی خیالی کی تصاویر ہیں۔ اب طاغوتی روشن خیالی کو بھی اے مسلمان واضح کر دے کہ یہ لبرل ازم اور ماڈرن اسلام کو مانتے ہیں، حجاب کرنے والی خواتین کو کہتے ہیں کہ یہ پس ماندگی اپناتی ہیں، آزادی نسواں کے علم بردار ہیں، قانون تعدد ازواج کو عورتوں پر ظلم کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی دوستی پر فخر کرتے ہیں۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے والوں کو یہ دہشت گرد کے خطاب سے نوازتے ہیں۔ گوانتانا مو جیسی، ابو غریب جیسی اذیت ناک سزاؤں سے مزین بدنام زمانہ جگہوں کی یہ مذمت تک نہیں کرتے۔

اب خود فیصلہ کر لیں کہ پاکستان کا نظریہ وہی نظریہ ہے جس کا نعرہ پاکستان بناتے وقت لگایا گیا تھا۔ یا..... خاک بدہن..... اتا تر کی نظریہ۔



مسافر پریشان کر کے روشن خیالی کی دلدادہ حکومت عالمی طاغوت کی خوشی میں اضافہ کے لیے دو سال سے مخلوط ووٹ کا اہتمام بھی کرتی ہے اور جشن بہاراں تو اس نہلے پہ دھلا ہی ہوگا۔ جنرل پرویز مشرف نے بلا جھجک کہا کہ ”میرا تھون“ نے ثابت کر دیا ہے کہ انتہا پسندوں کو شکست ہوگئی ہے۔ اس ووٹ کو دوسرے بڑے شہروں میں بھی منعقد کیا جائے گا اور ہم لاہور میں بسنت کو ہر صورت بنائیں گے۔ [میرا تھون کے افتتاح پر خطاب]

دیکھا گیا ہے کہ موجودہ حکمران بیان بھی کمانڈ و ایکشن میں دیتے ہیں۔ طاغوت جو چاہتا ہے یہ انھیں راضی رکھنے کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کے لیے مستعد رہتے ہیں مثلاً حدود آرڈی نینس کا مسئلہ کر کے انھوں نے ”حقوق نسواں بل“ ملکی قانون کا حصہ بنا دیا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے قانون کو انھوں نے معطل کیا ہوا ہے اور آرڈی نینس کا سہارا لے کر نئے نئے قوانین کے نفاذ میں کوشاں رہتے ہیں۔ حالاں کہ حقوق نسواں بل کو علمائے کرام کی اکثریت قرآن و سنت کے منافی قرار دے چکی ہے۔ اس کی کئی شقیں واضح طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مگر حکمران ہیں کہ حقوق نسواں بل کی مخالفت کرنے والے علمائے کرام کو بلا جھجک منافق کہہ رہے ہیں۔

پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے والے، عالم کفر کی آنکھوں میں خار بننے والے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جس دیدہ دلیری سے انھوں نے پابند سلاسل کیا ہوا ہے یہ کارنامہ بھی اسی حکومت کا ”روشن خیال“ چہرہ واضح کر رہا ہے۔

اب الیکشن ۲۰۰۷ء یا ۲۰۰۸ء کے لیے منصوبہ بندی شروع ہے۔ صوبائی و قومی اسمبلیوں کے الیکشن ابھی ہوئے نہیں، الیکشن کا باضابطہ اعلان بھی ہوا نہیں لیکن صدارت کے لیے اپنی ”خدمات“ اس طرح پیش کی ہیں کہ ”یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔“

یوں سمجھیں کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا رہے گا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں غیروں پہ کرم

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دوسخوں کا آنا ضروری ہے

شیطان ہی تصور کیا گیا ہے۔ شیطان کسے کہتے ہیں؟ اس کی پیدائش کیوں کی گئی؟ اس کا انسان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس جیسے بے شمار سوالات کے جوابات بڑی تحقیق اور حوالوں سے دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد عناوین درج ذیل ہیں:

(i) شیطان ایک تعارف، (ii) نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ اور شیطان، (iii) شیاطین اور جنات کی دنیا ایک نظر میں، (iv) شیطان کے مکر و فریب اور مکروہ عزائم، (v) شیطان کی چند تاریخی وارداتیں، (vi) شیطان اور مسلمان، (vii) شیطان کے مقاصد، (viii) شیطان کے ہتھکنڈے، (ix) شیطان سے مقابلہ کرنے کے لیے مومن کا ہتھیار، (x) روحوں کی حاضری، (xi) شیطان کی تخلیق کا فلسفہ۔

کتاب کی کمپوزنگ بہترین، عمدہ کاغذ اور کارڈ کور استعمال کیا گیا ہے۔ اصلاح عقائد کے سلسلے میں یہ ایک بہترین کوشش ہے۔ اللہ کریم شرف قبولیت سے نوازے۔

ہم سینے پر ہاتھ کیوں باندھتے ہیں؟

تالیف: اشرف توقیر فاضل پوری

ضخامت: ۱۲۸ صفحات (میڈیم سائز)

قیمت: ۳۰ روپے

ملنے کا پتہ: خدام الحمد ثین لائبریری، فاضل پور منڈیالہ تیکہ

ضلع گوجران والا

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے تحقیق و تخریج کے شعبے میں عوام و خواص کے لیے مسائل دینیہ سمجھنے کے لیے بڑی

انسان اور شیطان

تالیف: حافظ مبشر حسین

ضخامت: ۱۸۶ صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: مبشر اکیڈمی، لاہور۔ فون: 0300-4602878

ملنے کے پتے: مکتبہ قدوسیہ، کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور

فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار، کراچی

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

تخلیق انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ہر ہمتی دنیا تک انسان اور شیطان کا تصور ہر ذہن میں رہا ہے اور رہے گا۔ شیطان نے قیامت تک کے لیے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے اس بات کی مہلت طلب کر رکھی ہے کہ میں تیرے بندوں کو تیری بتائی ہوئی راہ سے یعنی صراطِ مستقیم سے ہٹاتا رہوں گا اور اس کے لیے اس شیطان نے اللہ تعالیٰ کے عز و جلال کی قسم کھائی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں اپنے بندوں کو یہ بات بتادی ہے کہ ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [یوسف: ۵] ﴿بَلْإِشْبَہ شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

زیر تبصرہ کتاب میں بڑی تفصیل سے انسان کی تخلیق سے لے کر شیطان کی عداوت کی مکمل تاریخ قرآن و سنت کے حوالے دے کر درج کی گئی ہے۔ ابلیس (شیطان اکبر) کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام شیطان جو جنوں اور انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ سرکشی اور بغاوت کے حوالے سے جو لوگ شیطانی امور انجام دیتے ہیں انھیں بھی

کی نفی کی ہے۔

اس کتاب میں محمد اشرف توقیر صاحب اور محقق عصر محترم حافظ محمد زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ تحقیق کرنے والے بلا تخصیص مسلک اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کی راہ مستقیم پر چلائے، آمین۔



شیخ محمد بشیر (راولپنڈی) کی وفات

مرکزی جمعیت اہل حدیث (رجسٹرڈ) راولپنڈی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد بشیر ۱۳ جنوری ۲۰۰۷ء بروز جمعرات طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم راولپنڈی، جمعیت اہل حدیث کے بانی ارکان میں سے تھے اور مسلک اہل حدیث کے لیے ان کی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ وہ مسلک اہل حدیث کے لیے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنے والے اصول پسند شخص تھے۔ آپ چک بازار صدر راولپنڈی میں جامع مسجد اہل حدیث کے قریب رہائش رکھتے تھے اور اسی مسجد کے تادم مرگ ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ جامعہ سلفیہ اسلام آباد کی انتظامیہ اساتذہ و طلباء نے ان کی نماز جنازہ میں بھرپور شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی حسنات کو شرف قبولیت بخشے، آمین۔

[ناظم دفتر، محمد عباس کلیم، جامعہ سلفیہ H/8 اسلام آباد]

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا نفرنس

مرکزی جمعیت اہل حدیث فیروز پارک رشید پورہ لاہور کے زیر اہتمام ساتویں سالانہ عظمت صحابہ کا نفرنس ۱۰ فروری بروز ہفتہ بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔ مولانا عبدالعزیز راشد، مولانا عبداللہ ثار، مولانا منظور احمد، حافظ محمد عثمان شاہ کو دیگر علماء و خطباء حضرات عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرمائیں گے۔

[مولانا عبدالرحیم شارح، خطیب مسجد ہذا]



سہولتیں فراہم کر دی ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر بڑے سے بڑے مسئلے تک کوئی دقت نہیں رہی۔ ایک طرف تحقیق مسائل کا تعلق ہے تو دوسری طرف ہٹ دھرمی، ضد اور انا پرستی بھی اپنے عروج پر ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ جو فرد بشر چاہے وہ عالم دین ہے، چاہے وہ معمولی پڑھا لکھا ہے یا کوئی اپنے لیے صحیح راہ مستقیم منتخب کرنا چاہتا ہے تو وہ بذریعہ تحقیق کسی اچھی نہج پر پہنچ ہی جاتا ہے اور اُسے قرآن و سنت کی وہ راہ مل جاتی ہے جسے وہ عرصے سے تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد بڑے علماء اور شیوخ ہیں جو راہ حق پہ آنے سے پہلے ضد، ہٹ دھرمی اور اندھی تقلید کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑے ہوئے تھے مگر جب اللہ نے انھیں توفیق سے نوازا تو انھوں نے ”حق“ کی تحقیق کی اور راہ مستقیم (قرآن و سنت) کی راہ اپنائی اور وہ مسلک حق اہل حدیث پر گامزن نظر آئے۔ الحمد للہ علی ذلک

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع اس کے عنوان سے ظاہر ہے۔ مؤلف نے کتاب میں دیوبندی مکتب فکر کے عالم دین اور ایک مدرسے ”مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجران والا“ کے مہتمم و مدرس، حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان صاحب سواتی کے ایک رسالے ”نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت“ کا مدلل و محقق جواب دیا ہے۔ مؤلف نے اپنے جواب میں یہ ثابت کیا ہے کہ مذکورہ دیوبندی حاجی صاحب نے مصنف ابن ابی شیبہ کی جو حدیث درج کی ہے اس حدیث میں واضح تحریف کی گئی ہے اور اس کا عکس انھوں نے اپنی کتاب میں شائع بھی کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ اپنے تقلیدی موقف کو تحریف کے ذریعے ثابت کیا جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہی نہیں بلکہ قرآن و سنت سے مذاق سے مترادف ہے۔ (العیاذ باللہ من ذلک)

زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ ۶ پر مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے حوالے سے یہ بات درج ہے کہ ”تحت السرة“، یعنی زیر ناف ہاتھ باندھنے والے الفاظ مذکورہ مصنف ابن ابی شیبہ میں نہیں ہیں۔ اسی طرح علامہ طحاوی، ابن ترکمانی اور ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس لفظ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ابوبکر صدیقؓ جانِ صداقت وہ پر نور صورت ، وہ پاکیزہ سیرت
وہ خود ذات سے اپنی خیر و سعادت اور اس پر رسولِ خدا کی رفاقت
وہ نیکی کی عادت وہ خلق و مرآت وہ سنجیدہ فطرت
جیس اتنی روشن کہ قرآن کی آیت برستی گھٹائیں کہ دستِ سخاوت
وہ قرآن پڑھتے ہوئے اشکباری وہ راتوں کی تنہائیوں میں عبادت
مشیر ان کے فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ وہ دورِ خلافت
وہ ایمان سراپا ، یقینِ مجسم پہلی شہادت
خدا ان سے راضی ، وہ راضی خدا سے نبیؐ نے بھی جنت کی دی تھی بشارت
سیاست مگر عینِ منشاءِ یزداں پہ دماغوں پہ قبضہ ، دلوں پہ حکومت